رجسٹرڈ نمبر اے ۷۸۱

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت پانچ روپیہ سالانہ مع محصول

مطبع معارف مین چھپکر
دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ سے شائع ہو

عدد اول	ماہ جمادی الاول ۳۹ھ مطابق جنوری ۲۱ء	مجلد ہفتم

مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

اس نمبر سے معارف کی ساتوین جلد شروع ہوتی ہے، اور اسکی عمر کا چھٹا سال، جولائی ۱۹۱۶ء مین اسکا پہلا پرچہ شایع ہوا تھا، ہم سست اور غیر مستقل ہندوستانیون کے نزدیک تو ایک اردو رسالہ کی اتنی زندگی بھی غنیمت ہے، لیکن سفر یورپ کے لئے جہاز پر سوار ہونے کے ساتھ مجھے امریکہ کے ایک انگریزی رسالہ کو دیکھکر کسقدر تعجب ہوا، اسکا نام "دی سٹرڈے ایوننگ پوسٹ" (سنیچر کی شام کی ڈاک) تھا، ہر ہفتہ بڑی تقطیع پر باریک ٹائپ مین تین کالمون کے ساتھ فلاڈلفیا سے شایع ہوتا ہے، ہر ہفتہ کے صفحات کی ضخامت ۱۷۲، بااین ہمہ اسکی عمر تم نے سُنی؟ فروری سنہ ۲۰ مین اسکی عمر ۱۹۳ برس کی تھی، بتاریخ یکم نومبر سنہ ۱۷۲۸ اسکا پہلا نمبر نکلا تھا، کیا ہمارے لئے یہ بھی یکے از عجائب عالم ہے،

گذشتہ جنگ جہانسوز کے دوران مین جرمنی نے زہریلی گیس کا استعمال شروع کیا تھا، اسکی اس "بربریت" پر ساری "مہذب و متمدن" دنیا فرط حیرت و غضب سے تھرا اُٹھی تھی، لیکن آج جبکہ ہنگامی اشتغال اور ضروریات جنگ مین سے کوئی شے موجود نہین، اور دنیا پر ایک بڑی حد تک امن و امان کی فرمانروائی کہی جاسکتی ہے، اسوقت پورے پُرسکون غور و فکر کے بعد امریکہ کی متمدن، صلح جو و آشتی پسند حکومت یہ فرمان نافذ کرتی ہے کہ فوج کو زہریلی گیس کے

استعمال سے دست بردار ہونیکی کوئی وجہ نہین بلکہ آیندہ جنگ کے موقع پر ہر امریکی سپاہی کو اپنی اپنی جیب مین اسکی ایک ایک ڈبیہ رکھنا لازم ہوگی (امریکہ کے ماہرین سائنس نے اس گیس کو منجمد بنا دیا ہے، اِسلئے اسے صابن کی طرح بآسانی ڈبیہ مین محفوظ رکھا جاسکتا ہے!)

مسئلہ کے سیاسی پہلو سے یہان واسطہ نہین، یہان دکھانا صرف یہ مقصود ہے کہ یہ اس قوم کا طرز عمل ہے جو مغرب مین صلح و آشتی کی سب سے بڑی علمبردار مشہور ہے، جسکے آئین اساسی مین یہ دفعہ بھی شامل ہے کہ اس قوم کو دوسرون کے لڑائی جھگڑے سے کوئی واسطہ نہوگا، اور جسکے رئیس حکومت (پریسیڈنٹ ولسن) کو ایک لاکھ کا گرانقدر نوبل پرائز اس بنا پر عطا ہوا ہے کہ انھون نے قیام امن مین بہترین مساعی سے کام لیا!

دنیا کشت و خون کے مناظر سے اکتا گئی ہے، جنگ و جدل کے نام سے وہ لرزنے لگی ہے، اور اس سے بچنے کے لئے ہر ممکن ذریعہ سے وسیلہ تلاش کر رہی ہے، لیکن کیا اس سعی مین کامیابی کی یہی صورتین ہین کہ اقوام اپنے تئین جنگی شقاوت و حربی سنگدلی کے لئے روز بروز تیار کرتی رہین؟ لیکن درحقیقت اسمین کسی مخصوص فرد یا قوم کا قصور نہین بلکہ یہ صورت حال لازمی نتیجہ ہے اس نظام تمدن کا جسکی سیادت کا شرف یورپ و امریکہ کو حاصل ہے اور جو بالواسطہ اسوقت ساری دنیا پر حاوی و محیط ہے، جس ضابطہ اخلاق مین انکسار و فروتنی، غربت و قناعت کا کوئی درجہ نہو، جس طرز معاشرت مین بلندترین مرتبہ عالی حوصلگی و بلند نظری کو دیا گیا ہو، جس فلسفہ سیاست مین فن احتیال "حکمت عملی" کو فضائل و کمالات مین شمار کیا جاتا ہو، اور جس نظام تمدن کی بنیاد تمامتر "تنازع للبقا" سابقت و باہمی کشمکش پر ہو، اسکے علمبردارون سے یہ توقع رکھنا کہ انکی کوششین مستقل

دپائدار امن وامان کو وجود مین لاسکین گی، گرگ سے گلہ بانی کی اُمید قائم کرنا ہی، سچ یہ ہے کہ جبوقت تک دنیا پر مادّی تمدن اور خود پرستانہ جذبات کی حکومت قاہرہ قائم ہے، مجالس صلح کا انعقاد، سیاسی صلحنامون کی ترتیب، نوبل پرائز کے سے بیش قرار وحوصلہ افزا انعامات، غرض ان لوگون کی ہر کوشش قطعًا لاحاصل وبیسود ہے، مثلہم کمثل الذی استوقد نارًا فلما اضاءت ماحولہ ذھب اللہ بنورھم وترکھم فی ظلمت لایبصرون، صم بکم عمی فھم لایرجعون،

خودی بہرصورت وبہرحال نفاق وشقاق، اختلاف وافتراق ہی کی جانب لیجانیوالی ہوتی ہے، خواہ اسے "وطنیت"، "قومیت" یا اور کیسی ہی پرشوکت لقب سے معزز بنانیکی کوشش کیجاے، جوشے اتحاد وخلوص، الفت واخوت پیدا کرنیوالی ہے، وہ خودی نہین بیخودی، خود فراموشی، وخود فنائی ہے، اصول مادیت کے لحاظ سے یہ دعوی یقینًا مستبعد معلوم ہوگا، لیکن جسم ومادہ سے ماورا ایک اور عالم ہے، جہان اختلاف وافتراق کی گنجائش نہین، جہان من وتو کا گذر نہین، اور جہان گبر ومومن، ترک وہندو، عجم وعرب سب مساوی نظر آتے ہین، اسی عالم مین پہنچکر خواجہ عطار فرماتے ہین، ع

رُوح را پارسی وتازی نیست

یا مولانا رُومی کی زبان مین،

رُوح را با تازی وترکی چہ کار

چندماہ ہوے یورپ کی بین الاقوامی زنانہ کانگرس کا آٹھوان سالانہ اجلاس جنیوا (اٹلی)

مین منعقد ہوا تھا جسکی مفصل روداد حال مین ہندوستان پہنچی ہے، خواتین کی بہت بڑی تعداد شریک تھی، تقریرین نہایت پرزور ہوئین، رزولیوشن دو ایک نہین بلکہ بیسیون کی تعداد مین منظور ہوے، غرض جس معنی مین آجکل جلسون پر کامیابی کا اطلاق کیا جاتا ہے، اس معنی مین یہ جلسہ ہر پہلو سے نہایت کامیاب وشاندار رہا، کانگرس نے اپنے مطالبات کا جو طویل پروگرام منظور کیا ہے، اسکے چند عنوانات یہ ہین:-

(۱) سیاسی حقوق نسوان (۲) شخصی حقوق نسوان (۳) خانگی حقوق نسوان

(۴) تعلیمی حقوق نسوان (۵) اخلاقی حقوق نسوان (۶) اقتصادی حقوق نسوان

اور ان مین سے ہر عنوان کے ماتحت مردون سے مساوات کامل کا مطالبہ کیا ہی، اس سے قطع نظر کرکے کہ نظری عدم مساوات کے ساتھ "مساوات کامل" کا مطالبہ کس حد تک حق بجانب ہے، سوال یہ ہی کہ کیا خواتین مغرب اپنے فرائض سے اس درجہ سبکدوش ہوچکی ہین کہ "حقوق" کی اس پرہیبت صف آرائی مین انہین "فرائض" کا نام لینے کی بھی فرصت نہین ملتی؟

مغرب کے نظام تمدن کی بنیاد مطالبہ "حقوق" پر ہی، مشرق کے ضابطۂ اخلاق کی اصل اداے "فرائض" ہی، مغرب کے نزدیک عورت کا کمال یہ ہی کہ وہ شمع بزم ورونق محفل ہو کر رہے، مشرق کے نزدیک اسکی انتہائی عزت یہ ہی کہ وہ چراغ خانہ کی حیثیت سے زندگی بسر کرتی رہے، یہی سبب ہی کہ مغرب مین ملکہ کلیوپیٹرا پیدا ہوتی ہے جو حسن وجمال کے حربہ سے اپنی فاتحانہ اولوالعزمیون مین ایک بڑی حد تک کامیاب رہتی ہی، اور مشرق مین سیتا پیدا ہوتی ہے جو عصمت شعاری وشوہر پرستی کی تصویر ہوتی ہے، اور حفظ ناموس کی خاطر دنیا سے ناکام ونامراد اٹھ جاتی ہے، ہندوستان جدید کے سامنے اسوقت دونون راستے کُھلے ہوے ہین، دعا ہی کہ اسے راہ راست اختیار کرنیکی توفیق عطا ہو،

مقالات

سورۂ قیامت کے چند نکات

از

تفسیر نظام القرآن و تاویل الفرقان بالفرقان

مولفہ مولانا حمید الدین صاحب بی اے

"ہمارے ناظرین کو معلوم ہے کہ جناب مولانا حمید الدین صاحب ایک مدت دراز سے عربی زبان مین قرآن مجید کی تفسیر لکھتے ہین جسکے متفرق اجزا، طبع بھی ہو چکے ہین حضرۃ الاستاذ کبھی کبھی اس تفسیر کے ٹکڑون کو اپنے قلم سے اُردو مین ادا کرکے الندوہ مین شایع کیا کرتے تھے آج ہم بھی الندوہ مرحوم کی تقلید مین ایک سورہ کی تفسیر کی تلخیص شایع کرتے ہین افسوس ہے کہ اردو مین عربی کا زور قائم نہ رہ سکا ہے"

(۱) منکرین قیامت کے خیالات کا ابطال اس سورہ کا موضوع ہے انکار قیامت کا خیال جیسا کہ خداوند تعالیٰ نے ان دونون آیتون مین

کلا بل تحبون العاجلۃ وتذرون الآخرۃ، — ہرگز نہین بلکہ تم لوگ دنیا کو دوست رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو

فلا صدق ولا صلی ولکن کذب وتولی — پس اس نے نہ سچ کو مانا اور نہ نماز پڑھی لیکن جھٹلایا اور پیٹھ پھیری

ثم ذھب الی اھلہ یتمطی، — اور اپنے اہل و عیال کے پاس اکڑتا ہوا گیا۔

بیان فرمایا ہے، دنیا کے عشق، اہل و عیال کی محبت، اور عدم اطاعت الٰہی کی بنا پر پیدا ہوا تھا، اور وہ لوگ اس انکار پر ایک عام شبہہ سے دلیل لاتے تھے جسکو قرآن مجید نے انکی زبان سے بار بار بیان کیا ہے، مثلاً

اذا کنا عظاماً نخرۃ، — جب ہم سڑی گلی ہڈیون کا ڈھیر ہو جائینگے (اسوقت کیونکر زندہ ہو سکینگے)

خداوند تعالیٰ نے انکی حالت کے اقتضا کے لحاظ سے اسی شبہہ کو زائل کیا ہے اور اس سورہ مین تشفی بخش، زواجر اور دلائل جمع کر دیئے ہین، چونکہ پہلی سورہ (مدثر) مین نہایت تصریح کے ساتھ انکے استکبار و انکار کو بیان کر دیا گیا ہے، اور اسمین انکو شدت کے ساتھ ڈرایا گیا ہے، اسلئے خداوند تعالیٰ نے اس سورہ مین اسکو بہت وضاحت کے ساتھ نہین بیان کیا، بلکہ انکو استدلالی طریقہ سے مخاطب کیا، قاعدہ یہ ہے کہ لوہار پہلے لوہے کو گرم کرتا ہے، پھر اسپر ہتھوڑا لگاتا ہے، اسی طرح جب ایک جھگڑالو اور مغرور قوم سے گفتگو کا موقع پیش آتا ہے تو یہی طریقہ اختیار کرنا پڑتا ہے، بہرحال باوجود اظہار غیظ و غضب کے اس سورہ مین پہلی سورہ (مدثر) کی طرح استکبار و انکار کی تصریح و توضیح نہین ہے، اس سورہ مین خدا نے فرمایا ہے،

ذرنی ومن خلقت وحیدا وجعلت لہ — مجھکو اور اس شخص کو چھوڑ دو جسکو مین نے اکیلا پیدا کیا ہے

مالا ممدودا وبنین شھودا — اور اسکو بہت سا مال اور سامنے رہنے والی اولاد دی ہے

ومھدت لہ تمھیدا ثم یطمع — اور اسکے واسطے بچھونا بچھایا ہے باوجود اسکے وہ چاہتا ہے کہ

ان ازید کلا انہ کان لآیاتنا — مین ان چیزون کو اور بڑھاؤن، ہرگز نہین وہ ہماری آیات کا

عنیدا ساُرھقہ صعودا انہ — دشمن ہے، بہت جلد مین اسکو صعود پر چڑھاؤنگا، بیشک اس نے

فکر وقدر فقتل کیف قدر، ثم — فکر اور اندازہ کیا، پس وہ مارا جائے کہ کیونکر اندازہ کیا پھر

قتل کیف قدر، ثم نظر، ثم — وہ مارا جائے کہ کیونکر اندازہ کیا، پھر دیکھا پھر تیوری چڑھائی

عبس وبسر ثم ادبر واستکبر، فقال — اور منہ بنایا، پھر پیٹھ پھیری اور تکبر کیا، پھر کہا کہ یہ قرآن

ان ھذا الا سحر یوثر ان ھذا — صرف ایک جادو ہے جو نقل کیا گیا ہے، نہین ہے مگر آدمی کا

لاقول البشر، ساصلیہ سقر، وما — کلام ہین اسکو بہت جلد جہنم مین جھونک دونگا، وہ کیا جانے کہ

ادرٰک ماسقر، لاتبقی ولاتذر، — دوزخ کیا ہے، وہ نہین باقی رکھتی اور نہین چھوڑتی،

اور اخیر کی آیت تک ہین اسی تصریحی اسلوب کو قائم رکھا ہے، چنانچہ ارشاد ہوا ہے،

فما لھم عن التذکرۃ معرضین — تو وہ لوگ کیون اس نصیحت سے منہ پھیرتے ہین، گویا وہ

کانھم حمر مستنفرۃ فرت من قسورۃ — بدکنے والے گدہے ہین جو شیر سے بھاگے ہوئے ہین۔

غرض ان تمام آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورہ اور پہلی سورہ (مدثر) کا موضوع اگرچہ ایک ہے، لیکن پہلی سورہ مین جو تصریح ہے وہ اس سورہ مین نہین ہے،

(۲) لیکن باین ہمہ اس سورہ مین بھی کسیقدر غصہ کا اظہار کیا گیا ہے، اسمین انسان کی سرکشی اور جرأت کا ذکر بھی ہے، اسکے سوال وجواب مین ٹھکرانے والی اور جھکانے والی دہمکی بھی موجود ہے، اسکی آیتون مین بکثرت تہدید واستفہام بھی ہے، اس لحاظ سے اس سورہ کا اسلوب پہلی سورہ سے الگ نہین ہے، بلکہ اسی کے ساتھ مربوط ہے، دیکھو انسان کس سرکشی اور جرأت سے کہتا ہے،

ایان یوم القیمۃ، — قیامت کا دن کب آئیگا۔

کیونکہ اتمام حجت کے بعد قیامت کا انکار صرف ضلالت وغوائت ہی کی بنا پر کیا جا سکتا ہے، اسلئے خدانے سخت زلزلہ انگیز ورعشہ خیز جواب دیا، یعنی قیامت کا دن نہین بتایا بلکہ اُسدن جو مناظر پیش آئینگے انکی تصویر کھینچدی، اور فرمایا،

فاذا برق البصر وخسف القمر — اور جب آنکھ چوندھیا جائیگی اور چاند گہنا جائیگا اور چاند

وجمع الشمس والقمر یقول — اور سورج اکٹھے کر دیے جائین گے، تو انسان کہیگا کہ اب

الانسان یومئذ این المفر، — جائے گریز کہان ہے۔

(۳) اس سورہ مین تہدید واستفہام کے جو مواقع ہین، انکی تفصیل کی ضرورت نہین لیکن اصول بلاغت کے مطابق یہ نکتہ بتا دینا چاہیئے کہ جب غصہ کی حالت مین خطاب کیا جاتا ہے تو اسمین قدرتی طور پر ٹھہراؤ (فصل) بکثرت آتا ہے، گویا متکلم ٹھہر ٹھہر کے غصہ کو پیتا ہی، پھر نئے سرے سے گفتگو شروع کرتا ہے، اور اپنے کلام کو کلمات تہدید پر ختم کرتا ہے، اس سورہ مین یہی اسلوب اختیار کیا گیا ہے، اور اس لحاظ سے وہ سورہ علق، سورہ تکاثر، اور سورہ ہمزہ کے مشابہ ہے، کیونکہ ان مین بھی خدانے اپنے غیظ وغضب کا اظہار اسی طریقہ سے کیا ہے،

اس تمہید کے بعد اب ہم آیت کے ٹکڑون کی تفسیر کی طرف متوجہ ہوتے ہین،

(۴) اس سورہ مین خدانے قیامت کی جو قسم کہائی ہے، اسمین شدت کے ساتھ زجر وتوبیخ پائی جاتی ہے، کیونکہ جب کوئی چیز بہت واضح ہوتی ہے تو خود اپنی دلیل بنجاتی ہے،

آفتاب آمد دلیل آفتاب

اسلئے خدانے گویا کہا کہ "خود بخود عنقریب اس دن کو جان لوگے بتانے کی ضرورت نہین" لیکن قرآن مجید کا یہ بھی اسلوب بیان ہے کہ وہ تہویل وتخویف کے بعد دلائل بھی بیان کرتا ہے، چنانچہ سورہ نبأ مین پہلے تہدیدی طور پر فرمایا،

عم یتساءلون، عن النبإ العظیم — وہ لوگ کس چیز کو پوچھتے ہین بہت بڑی چیز کو جسمین وہ

الذی ھم فیہ مختلفون، کلا — اختلاف کرتے ہین، ہرگز نہین وہ عنقریب جان لین گے

سیعلمون، ثم کلا سیعلمون، — اور ہان ہرگز نہین وہ عنقریب جان لین گے،

پھر اس تہدیدی کلام کے بعد اثبات قیامت پر دلائل قائم کئے، اور فرمایا

الم نجعل الارض مھادا الخ، — کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہین بنایا۔

بعینہ اس آیت مین بھی قیامت کی قسم کہانے کے بعد جو ایک تہدیدی قسم تھی ایک دلیل

قائم کی جو نہایت قریب الفہم ہے،

(۵) یعنی خدانے قیامت کی جو قسم کہائی، اسمین خود قیامت سے وجود قیامت پر استدلال
کیا اسکے بعد نفس لوامہ کی قسم سے خود نفس پر بداہت سے دلیل لایا، کیونکہ ہر شخص بدیہی طور پر
جانتا ہے کہ وہ ایک حاکم کے زیر اقتدار ہے، جو اسکا حساب لیگا، ورنہ اسکا نفس بعض افعال پر
اسکو کیون ملامت کرتا، اس سے ثابت ہوا کہ خود انسان کی فطرت کے اندر افعال قبیحہ سے
روکنے کی طاقت موجود ہے، خدانے اسی حس بدیہی کو اس آیت مین

بل الانسان علی نفسہ بصیرۃ — آدمی خود اپنے نفس کی دلیل ہے،

بصیرت کے لفظ سے تعبیر کیا ہے،

(۶) خداوند تعالی نے جسطرح قیامت اور نفس لوامہ سے ایک ساتھ استدلال کیا، اسی طرح
ان دونون کی ایک مخصوص صفت کو ایک جگہ جمع کردیا، اور وہ صفت بصیرت ہے، کیونکہ
انسان باوجودیکہ اپنے افعال پر طرح طرح کے عذر پیش کرتا ہے اور حیلے ڈہونڈہتا ہی لیکن
نفس کی ملامت باقی رہتی ہے، بجز اس حالت کے کہ انسان کا ضمیر بالکل مردہ ہوجاے
اور اسوقت اسپر یہ آیت صادق آتی ہے،

ختم اللہ علی قلوبھم — خدانے اُنکے دلون پر مہر لگادی ہے،

اور یہی لوگ ہین جن سے رسول اللہ صلعم کو اعراض کرنے کی ہدایت کیگئی ہے، کیونکہ اُن پر
کوئی نصیحت اثر نہین کرسکتی، اس آیت مین بھی خدانے ان لوگون سے اعراض کا حکم دیا ہی،
جیسا کہ ہم لاتحرک بہ لسانک لتعجل بہ کی تفسیر مین بیان کرینگے،

(۷) نفس لوامہ اور قیامت کے ایک جگہ جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونون مین
ایک خاص قسم کی مناسبت ہے، اور وہ یہ ہے کہ قیامت نفس کلی کی ملامت کرنیوالی ہے،

کیونکہ عالم اپنے ترتیب و نظام کی وجہ سے ایک شخص واحد ہے، اسلئے جسطرح ہر انسان مین
ایک نفس لوامہ موجود ہے جو اسکے گذشتہ افعال پر ملامت کرتا ہے، بعینہ اسی طرح تمام عالم
کے لئے ایک عام نفس لوامہ ہے، جو انسان کے گذشتہ اعمال کو اسکے سامنے کردیتی ہے،

اور خدانے اس آیت مین

ینبؤا الانسان یومئذ بما قدم واخر — آج کے دن انسان کو اسکے تمام اگلے پچھلے اعمال کی خبر دیجائیگی

اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے،

بعینہ اسی طرح ہر پیغمبر اپنی قوم کے لئے نفس لوامہ ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اپنی بعثت عام کی بنا پر تمام عالم کے لئے نفس لوامہ ہین، اور آپ اس حیثیت سے قیامت
کے مثل ہین، جیسا کہ ہم نے کتاب ملکوت اللہ مین تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، اور اسکا
ایک حصہ سورہ صف کی تفسیر مین بھی مذکور ہے،

(۸) چونکہ ابتدا مین اہل عرب تحمل شریعت کی صلاحیت اور استعداد نہین رکھتے تھے، جسکا
اقتضا یہ تہا کہ انکے ساتھ رفق و ملاطفت کیجاے، اسلئے شروع شروع مین وحی نہایت مختصر
اور نہایت کم نازل ہوتی تھی، اور اہل عرب سے اسوقت تک کے لئے تمہل آمیز اعراض
کیا جاتا تہا جب تک ان کا جوش ٹھنڈا ہوجاے، لیکن کفار کے مخاصمہ و مجادلہ کی حالت مین
آپ کے لئے صرف قرآن ہی ایک تسکین بخش اور استقامت آفرین چیز ہوسکتی تھی، اسکے ساتھ
آپ تکمیل شریعت، اور لوگون کے ایمان کے سخت متمنی تھے، اس سے بھی بڑھکر یہ کہ کفار طنزاً
کہتے تھے،

لولا نزل علیہ القرآن جملۃ واحدۃ — محمدؐ پر پورا قرآن ایک ہی بار کیون نہین نازل ہوجاتا۔

ان اسباب کی بنا پر جب آپ پر نزول وحی ہوتا تہا تو آپ اسکو نہایت شوق کے

ساتھ خود زبان مبارک سے پڑھتے تھے اور اسکو ازبر یاد کرلیتے تھے تاکہ اثبات حق اور ابطال باطل کے لئے آپ کے ہاتھ خوب مضبوط ہوجائیں، لیکن خدانے اس تدریج وتمہل کی مصلحتیں آپکو متعدد آیتوں مین بتلائین مثلاً اس آیت مین -

ولا تعجل بالقرآن من قبل ان یقضی الیک وحیه وقل رب زدنی علما	جب تک قرآن کی پوری وحی نازل نہو جائے اوس کے متعلق جلدی نکرو اور کہو کہ خداوندا میرے علم کو بڑھا
ولقد عهدنا الی آدم من قبل فنسی ولم نجد له عزما ،	ہم نے تم سے پہلے آدم کو وصیتین کین، لیکن وہ بھول گئے اور ہم نے اُن مین عزم نہین پایا -

خدانے آپکو بتایا ہے کہ انسان ضعف عزم کی بنا پر دفعتہً تمام شریعت کا متحمل نہین ہوسکتا، اسلئے کل قرآن کے نزول کے لئے عجلت نکرو بلکہ جو کچھ ملے اسکو قبول کرلو، اور یقین کرو کہ تکمیل یا تخفیف کے لئے ابھی اور کچھ باقی ہے، اور خدا سے اضافۂ علم کی درخواست کرو، غرض اس آیت مین انسان کے طبعی ضعف کے لحاظ سے خدانے تدریج وتمہل کی مصلحت بتائی لیکن اس آیت مین،

لا تحرک به لسانک لتعجل به ان علینا جمعه وقرآنه فاذا قرأناه فاتبع قرآنه ثم ان علینا بیانه کلا بل تحبون العاجلة وتذرون الآخرة ،	قرآن مجید کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نددے تاکہ تو جلدی کرے اسکے ساتھ اسکا جمع کرنا اور پڑھنا ہمارا کام ہے پس جب ہم اسکو پڑھین تو ہمارے پڑھنے کی پیروی کر اسکے بعد اسکا بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے، ہرگز نہین بلکہ تم لوگ دنیاے عاجلہ کو دوست رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو،

انسان کی استعداد وقابلیت کی بنا پر اس مصلحت کو سمجھایا ہے، کیونکہ انسان مین فطرةً ایک بصیرت موجود ہے، اور وہ آہستہ آہستہ بلند ہونے کا طبعی شوق اپنے دل کے اندر رکھتا ہی

لیکن دنیاے عاجلہ کی محبت جیسا کہ خدانے بیان فرمایا ہے،

خلق الانسان من عجل	انسان عجلت سے پیدا کیا گیا ہے،
ان الانسان خلق هلوعا اذا مسه الشر جزوعا واذا مسه الخیر منوعا،	انسان گھبرانے والا پیدا کیا گیا ہے، جب اسپر مصیبت آتی ہے تو بدحواس ہوجاتا ہے اور جب اسکے بھلے دن آتے ہین تو بخیل ہوجاتا ہے

بذات خود ایک فطری چیز ہے اور وہ اس راہ مین رکاوٹ پیدا کرتی ہے بہرحال انسان مین یہ دو متضاد طبعی قوتین موجود ہین، اور اسلئے اسمین اجتہاد اور تربیت کا مادہ بھی فطرةً ودیعت کیا گیا ہے، تاکہ فطرت کا یہ بیج خود انسان کی قواے فطری ہی کے ذریعہ سے نشو ونما پاے، اور اسلئے مذہب مین جبر واکراہ کی ممانعت کیگئی ہے، تو اسی اصول کی بنا پر جب خدانے اس سورہ مین یہ بیان کردیا کہ خود انسان کے اندر ایک بصیرت اور نفس لوامہ موجود ہے تو پیغمبر کو اسکی تربیت کا طریقہ بتایا اور فرمایا کہ تم کو قرآن کے متعلق جلدی نہین کرنی چاہیئے، کیونکہ تدریج وتمہل تربیت کا اصلی سنگ بنیاد ہے، اسلئے جو کچھ تم پر نازل ہو اسکو پڑھکر سنا دو، اسکے بعد یہ بتایا کہ اس تدریج وتاخیر کی بنا پر وہ لوگ قرآن کے فواید سے بے بہرہ نہین ہین، کیونکہ یہ تو عین اقتضاے حکمت ہے، بلکہ دنیاے عاجلہ کی محبت اور محسوسات کی غلامی نے اُنکو اندھا کردیا ہے، انسان کے اندر خود بصیرت موجود ہے، اور خدانے اسکے لئے دلائل قائم کردیئے ہین، بااین ہمہ وہ اپنے تمرد وطغیان کی بنا پر اس سے غفلت برتتا ہے، خدانے اسی کے قریب قریب انکی حالت پہلی سورہ مین بھی بیان کی ہے اور فرمایا ہے،

فما لهم عن التذکرة معرضین کانهم حمر مستنفرة فرت من قسورة	وہ لوگ یاد دہانی سے کیون اعراض کرتے ہین گویا وہ بدکنے والے گدھے ہین جو شیر سے بھاگے ہوے ہین بلکہ

بل یرید کل امرئ منھم ان یوتیٰ صحفا منشرۃ — ہر آدمی یہ چاہتا ہے کہ اسکو کہلے ہوے صحیفے دیئے جائین

لیکن خدانے انکی اس خواہش کا یہ جواب دیا ہے،

کلا بل لا یخافون الاٰخرۃ کلا انہ — ہرگز نہین بلکہ وہ لوگ آخرت کا خوف نہین کرتے، ہرگز نہین

تذکرۃ فمن شاء ذکرہ — یہ ایک یاد رکہنے والی چیز ہے جو چاہے اسکو یاد رکہے،

قرآن مجید کی اور سورتون (اعلیٰ، دہر) مین بھی اسی قسم کی آیتین موجود ہین جن سے قرآن مجید کے ترتیب و نظام مین نمایان مطابقت نظر آتی ہے، لیکن عام طور پر مفسرین کی نگاہ کلام کے اس ربط پر نہین پڑی یہانتک کہ قفال نے کہدیا کہ قیامت کے دن کفار سے یہ خطاب کیا جائیگا، قفال کے علاوہ اور مفسرین نے اگرچہ کلام کے اصل مقصد سے عدول نہین کیا تاہم انھون نے بھی اس آیت کو ایک الگ مستقل آیت سمجھا، جو مضمون سورہ کے ساتھ مربوط نہین ہے، اُن کے نزدیک اثنائے قراءت مین رسول اللہ صلعم نے حقیقۃً عجلت کی اور جبرئیل علیہ السلام نے آپکو ان الفاظ مین اس عجلت سے منع کیا، یہ اگرچہ بالکل واقعہ ہے کہ آپ نے ان آیات کی تلاوت مین عجلت سے کام لیا، لیکن یہ کوئی عارضی بات نہ تھی بلکہ یہ آپ کا عام طرز تہا اور چونکہ آپ کا یہ عجلت آمیز شوق متعدد اسباب کی بنا پر پیدا ہوا تہا، اسلئے خدانے آپکو متعدد طریقون سے جیسا کہ ہم ابھی بیان کرآئے ہین، آپکو تسکین دی،

مفسرین کا یہ بھی خیال ہے کہ قرآن مجید کے ضائع و برباد ہونے کے خیال سے آپ یہ عجلت کرتے تھے، اور یہ بالکل ایک واقعہ ہے، لیکن اسکے ساتھ اپنی قوم کی ہدایت کے لئے بھی آپکو نزول وحی کا عاجلانہ اشتیاق تہا، اسلئے خدانے اس سورہ کے ربط و نظام کو قائم رکہکر آپکو انہی دو امور کی بنا پر تسکین دی، اور فرمایا کہ قبول وحی مین

کیون اسقدر مشقت برداشت کرتے ہو، قرآن مجید کی جمع و ترتیب، اور اسکا تحفظ خود ہمارا فرض ہے، رہگئی تمہاری قوم کی ہدایت تو وہ لوگ دنیا کی محبت مین ڈوبے ہوئے ہین، اسلئے کم یا زیادہ جو کچھ بھی کہا جائے، اُنکے لئے برابر ہے، سورۂ اعلیٰ اور سورۂ دہر مین اسکو خدانے تفصیل کے ساتھ بیان کیا تہا، اس بنا پر اس سورہ مین اسکا ذکر اجمال کے ساتھ کیا، لیکن ان دونون سورتون مین جو باتین اجمالاً بیان کی ہتین، اس سورہ مین اسکی تفصیل کردی۔

(عبد السلام ندوی)

یای مجہول

از

(پروفیسر شیخ عبدالقادر ایم اے، آئی ای، ایس)

"یہ مضمون پچھلے سال آل انڈیا اورینٹل کانفرنس، پونہ مین انگریزی مین پڑھا گیا تھا اب تکمیل و نظرثانی کے بعد اشاعت کے لئے جاچکا ہے، کانفرنس کے دیگر مضامین کے ساتھ کتابی صورت مین شائع ہوگا،

لیکن ناظرین **معارف** خوش ہونگے کہ پروفیسر موصوف نے انکے حق کو انگریزی پبلک پر مقدم رکھا، ہماری منت پذیری کا تقاضا بھی اس خالص عنایت کی شکرگذاری پر مجبور کرتا ہے گو ہمارے محترم دوست کی ذات پر "معارف" کے اتنے حقوق ہین کہ اگر وہ اسکو اپنے قرض کی وصولی کی حرف پہلی قسط سمجھے تو بیجا نہوگا،

ہندوستان مین احاطہ بمبئی اور خاصکر شہر بمبئی مین جہان ایران کے نووارد مسلمان (مغل) اور زرتشتی گلی کوچہ مین ملتے ہین، آدمی کو یہ نظر آتا ہے کہ فارسی زبان دو طرح کی ہے، ایک جو ہندوستان مین رائج ہے، اور دوسری ایران کی، ان دونون مین اگرچہ خاص خاص الفاظ و محاورات، تراکیب و اسالیب عبارت اور اختلاف گرامر کی بنا پر بھی کافی فرق محسوس ہوتا ہے، لیکن جو فرق سب سے زیادہ نمایان ہو کر نظر آتا ہے وہ تلفظ کا ہے،

اول الذکر فرق کی بنیاد تو یہ ہے کہ ہندوستان کے فارسی اساتذہ ابتک قدیم یعنے کلاسکل فارسی ہی کے مستند مصنفین و شعراء کے نقوش قدم کا تتبع اپنے کمال کی معراج سمجھتے

آئے ہین، عبارت مین زور و چستی، صفائی و سلاست، اور نحوی اصول کی رعایت قدیم فارسی کے اجزاے شکر ہین، جن سے دور جدید کی ایرانی فارسی کا بیشتر حصہ خالی ہے، بجاے چستی و ایجاز کے عبارت مین سستی اور ڈھیلاپن روزبروز زیادہ پیدا ہوتا جاتا ہے، جو سلوک مصر مین عربی کے ساتھ ہوا ہے، وہی موجودہ ایران فارسی کے ساتھ کر رہا ہے، بقول ڈاکٹر فریبز روزن کے گرامر کے اصول و قواعد سے بے پرواہی، انکے استعمال مین تناقض، جہان جو دل مین آیا لکھدیا بول دیا، جسکی بدولت بعض اجزاے کلام خصوصاً حروف و روابط کا استعمال معلمین و متعلمین دونون کیلئے ایک مصیبت بنگیا ہے، تعریف فعل تک کی صفائی و سادگی غائب ہوگئی ہے، ایک صیغہ کی جگہ دوسرا آجکل بکثرت و بے تکلف استعمال کردیا جاتا ہے، بخلاف اسکے قدیم فارسی مین اس فرق و تفاوت کا ہر جگہ لحاظ رکھا جاتا تھا"

ثانی الذکر یعنی تلفظ کا اختلاف، اسکی نسبت عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اہل زبان یعنی ایرانیون ہی کا تلفظ اصلی اور صحیح ہے، ہندوستان والون نے اسکو فاسد و خراب کرڈالا ہی، پروفیسر براؤن جیسے اہل نظر بھی اسی عامیانہ آواز کے ہم آہنگ ہوگئے ہین، اور ہمارے تلفظ کو خالص ہندوستانی" فاسد اور غلط سمجھکر اُسکی جابجا تحقیر کی ہے، لیکن حقیقت حال اسکے بالکل خلاف ہے، یعنی ہندوستان ہی کا تلفظ ایران کا اصلی تلفظ ہے، اور خود اہل ایران اپنے اسلاف کے جادۂ مستقیم سے اس باب مین بھی اسی طرح الگ جا پڑے جسطرح اغیار اول ہین،

بالائی ہند مین، جہان مغل شاذ و نادر ہی نظر آتے ہین، تلفظ کے اس اختلاف کی بہت سے لوگون کو خبر بھی نہوگی، لیکن یہان بمبئی مین اسکو خاص اہمیت حاصل ہوگئی ہے، اور فارسی الفاظ کو موجودہ ایرانی تلفظ کے خلاف بولنا ایک "لغوی فتنہ" سمجھا جاتا ہے، اس سے بڑھکر تماشہ یہ ہے کہ بعض لوگ مغلون کے لب و لہجہ اور اُنکے مخصوص حرکات و سکنات کی بوزنہ وار نقالی کو فارسی

علوم وزبانداني کي سند و دليل جاننے لگے ہين، حالانکہ

نہ ہرکہ طرف کلہ کج نہاد و تند نشست　　کلاہ داری و آئین سروری داند

ایک علمی اور تعلیمی دشواری یہ آپڑی ہے کہ سارے ہندوستان کی طرح احاطہ بمبئی مین بھی فارسی پڑہنے والے طلبہ تو زیادہ تر غریب ہندوستانی ہی ہوتے ہین، لیکن اسکولون اور کالجون کے اساتذہ، معلمین اور ممتحنین مین ایک کافی تعداد مغلون اور کچھ انکے مقلدین کی بھی داخل ہوگئی ہے، جس سے بیچارے طالبعلم نہ صرف اس کشمکش مین پڑجاتے ہین کہ وہ کسکا اتباع کرین بلکہ بارہا اسکی بدولت امتحانات مین بھی انکا خون ہوتا ہے، ان حالات کو پیش نظر رکھکر ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اس مسئلہ پر ایک مرتبہ علمی حیثیت سے اچھی طرح غور وفکر کرکے ہوسکے تو مدارس مین کوئی ایک راہ عمل اختیار کرلیجائے۔

جن لوگون نے ہندوستانیون اور ایرانیون دونون کو فارسی بولتے یا پڑھتے سنا ہے اُن کو جن جن چیزون کے تلفظ مین نمایان طور پر تفاوت نظر آیا ہوگا، وہ فتحہ، کسرہ، ضمہ، حروف ممالہ، نون غنہ، واو مجہول اور یاے مجہول کے تلفظات ہین، ان سب پر بحث کو کسی ایک مضمون کے دامن مین نہین سمیٹا جاسکتا، اسلیے سردست میری گفتگو کا تعلق صرف آخرالذکر یعنی یاے مجہول کے تلفظ سے ہوگا۔

فارسی کے جن الفاظ مین یاے مجہول واقع ہے، ان کا ایک تلفظ تو وہ ہے جو تم نے ایرانیون یا مغلون سے سُنا ہوگا، دوسرا وہ جو ہمارے ہان جاری ہے، مثلاً "شیر" یعنی درندہ کو ایرانی اسکو "تیر" کی "ی" کی طرح تلفظ کرتے ہین، اور ہندوستانی ہندی تلفظ "ڈھیر" یا "پھیر" کی "ي" کی طرح۔ اس دوسرے تلفظ کی نسبت عام خیال یہ پھیلا ہوا ہے کہ یہ ہندوستانی

مسلمانون کی ایجاد ہے، جنھون نے اسکو اردو تلفظ کے قالب مین ڈھال لیا ہے، ایران کے خالص فارسی تلفظ کو اس سے کوئی واسطہ نہین، خود بہتیرے مسلمان اور بعض مستشرقین یورپ تک بھی یقین رکھتے ہین، پروفیسر براؤن اپنی کتاب A Year amongst the Persians (ایران مین ایک سال) مین فرماتے ہین کہ "یہ غلط اور مکروہ تلفظ جو ہندوستان مین جاری ہے مین نے اصل مین اپنے ہندوستانی ہی احباب سے سیکھا تھا جسکو اب مین جلد سے جلد چھوڑ رہا ہون"۔

لیکن تحقیق کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ (۱) جس تلفظ کو ہندوستانیت کے ساتھ مطعون کیا جاتا ہے وہ کسی طرح بھی اس معنی مین ہندوستانی نہین ہے، کہ یہ ہندوستان کے مسلمانون کی اختراع ہے یا انہی کے ساتھ مخصوص ہے، (۲) بلکہ یہ خالص ایرانی تلفظ ہے، (۳) جو ہندوستان مین آنے سے پہلے صدیون ایران مین جاری رہا ہے، (۴) نیز بعض حیثیات سے "فاسد وخراب" ہونے کے بجاے علمی نقطۂ نظر سے بھی صحیح تر تلفظ ہے، (۵) اور موجودہ ایرانی تلفظ خود بگڑا ہوا اور ایک لحاظ سے غیر ایرانی ہے۔

اس دعوی کے ثبوت مین چار مختلف دلائل پیش کیے جاسکتے ہین، جنکی بنیاد تمامتر خالص اور مستند ایرانی مصنفین کی شہادت پر ہوگی، ہندوستان کے اساتذۂ فارسی کی تصانیف سے عمداً اغماض کیا گیا ہے تاکہ مخالف کو اس عذر کی گنجائش نہ رہے کہ خود فریق مقدمہ کی شہادت پر اعتبار نہین کیا جاسکتا۔

۱- پہلی دلیل خود معروف ومجہول کی تفریق سے پیدا ہوتی ہے، فارسی زبان کی قاموسون اور گرامر کی کتابون مین اکثر یہ بیان ملتا ہے کہ "ي" دو طرح کی ہوتی ہے، معروف و مجہول، معروف جیسے رتیب، تیر، وید، پیل، شیر (دودھ) وغیرہ کی ی ہے، اور مجہول جیسے

خویش، تیز، سپید، شیر (درندہ) وغیرہ لفظون مین پائی جاتی ہے، اب سوال یہ ہے کہ یہ دو نام کب، کس نے، اور کیون رکھے؟ اسکا جواب یہ ہے کہ یہ نام عربون نے وضع کئے، جنکے کانون کے لئے "ی" کی ایک آواز تو خود اپنی زبان مین مانوس و معلوم تھی جسکا نام انھون نے "معروف" رکھا، اور دوسری جو نامانوس و نامعلوم تھی وہ "مجہول" قرار پائی،

اس قسم کی تفریقات کچھ ایک حرف "ی" یا تلفظ ہی کے ساتھ مخصوص نہین بلکہ "و" کے تلفظ مین معروف و مجہول کی تفریق کا بھی یہی منشا ہے، اور تلفظ کے علاوہ دوسرے اصول و قواعد مین بھی جہان عربی زبان کے خلاف کوئی بات نظر آئی ہے، عربون نے اپنی زبان کو اصلی قرار دیکر اسی طرح کی تقسیم کر دی ہے، مثلاً اضافت مقلوب، کہ اسکو مقلوب اسلئے کہدیا گیا کہ عربی مین مضاف مضاف الیہ کی جو ترتیب ہوتی ہے، اسکے لحاظ سے "جہان پناہ" "دل آرام" "جان آفرین" وغیرہ کی اصل فارسی اضافتون کی ترکیب معکوس و مقلوب تھی، انتہا یہ کہ فارسی زبان کی جو رائج گرامر ہے، اسکو تمام تر عربی ہی کے قالب مین ڈہالنے کی کوشش کیگئی ہے، اور صحیح فارسی گرامر جو نفس فارسی ہی زبان کو سامنے رکھکر بنائی گئی ہو اب تک مفقود ہے،

غرض معروف و مجہول کی اس تفریق سے صاف ظاہر ہے کہ جب ایران مین فارسی زبان کے لئے عربی رسم الخط وجود مین آیا، اسوقت یقیناً یہ دو مختلف آوازین موجود تھین ورنہ دو الگ الگ نام رکھنے کی کیا ضرورت تھی، فرانس کے مشہور مستشرق ڈارمسٹیٹر نے بالکل ٹھیک لکھا ہے کہ "جب عربی حروف ہجا ایران مین داخل ہوئے تو اسوقت تک "اِے" اور "اُو" کی آوازین (جو اردو مین حروف ندا کی حیثیت سے استعمال ہین "او" (جیسے نور مین) اور "ای" کی آوازون سے بالکل ممتاز اور جداگانہ طور پر موجود تھین، لیکن چونکہ عربون کے ہان "اے" اور "او" کی آوازین ہی نہ تھین، اسلئے انھون نے انکی جگہ پر اُن حروف علت (یعنی "ی" اور "و" کو

رکھدیا جو ان سے بہت زیادہ قریب الصوت تھے"،

جس سے لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ "ی" کی "مجہولی" آواز خود ایرانیون کے ہان نامانوس "یا مجہول" نہ تھی، بلکہ عربون کے ہان اور کم از کم عربون کے حملہ تک یہ آواز ایران کی زبان مین موجود تھی،

۲- اگر تاریخی و لسانی پہلو سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ فتح ایران سے قبل ساسانیون کے زمانہ مین خود پہلوی مین یہ دونون آوازین موجود تھین، گو اسکے حروف ہجا مین دونون کے اظہار کے لئے ایک ہی علامت تھی، جو پہلوی حروف ہجا کی ایک خاص خصوصیت ہے، یعنی ایک ہی حرف کئی کئی آوازون کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ پہلوی سے بھی پیچھے جاؤ تو اوستا مین نہ صرف معروف و مجہول کی دو مختلف آوازین ملتی ہین، بلکہ اوستا کے حروف ہجا مین ان دونون کے لئے دو بالکل الگ علامتین بھی موجود ہین، بعینہ یہی حال سنسکرت مین ہے جو اوستا کی بڑی بہن ہے اور نیز اسی کے اثر سے ہندوستان کی دیگر آریا زبانون بھی یہ فرق موجود ہے،

اصل یہ ہے کہ "یائے مجہول" کی آواز وہی ہے جو زند و اوستا مین "اَیے" اور سنسکرت مین "اَیے" ہے، جیسا کہ ذیل کی چند مثالون سے واضح ہوگا :-

فارسی	زند
کیش	گیش
دیو	دَیو
تیغ	تَیگھ
ریش	رَیش
سپید	سَپَیت (سنسکرت مین: श्वेत)

۳- یہ ثابت ہو چکنے کے بعد کہ اوستا اور پہلوی کے زمانہ سے لیکر اُس وقت تک جب فارسی زبان نے عربی حروف کا لباس پہنا، ایران مین یاے مجہول کا تلفظ قطعاً موجود تھا، اب ہمکو یہ دیکھنا ہے کہ اسلامی عہد کے ایران مین یہ کبتک موجود رہا ہے، اسکے لئے خود فارسی شعراء کی سند جسکا قافیہ سے پتہ چل سکتا ہے فیصلہ کن ہوگی، اِسلئے کہ قافیہ مین صرف تلفظ ہی کا اعتبار ہوتا ہے،

اس غرض کے لئے مین نے اسدی طوسی کے لغت الفرس" کو جو فارسی کا قدیم ترین لغت ہے، شروع سے آخر تک پڑھا ہے، اور رودکی، عنصری، فرخی، منوچہری، انوری، خاقانی، سعدی و حافظ کے دواوین کا ایک ایک کرکے جائزہ لیا ہے، ان مین ایک مثال بھی اسکی نہین ملتی کہ یاے معروف والے لفظ کا قافیہ کہین یاے مجہول والے لفظ سے کیا گیا ہو، بخلاف اسکے آجکل جب معروف و مجہول کے تلفظ مین کوئی فرق نہین باقی رہ گیا ہے، تو شعراے ایران بے تکلف ایک کا دوسرے سے قافیہ کرتے ہین، اور کوئی تمیز نہین کرتے، پس اگر موجودہ شعراء آج جو کچھ تلفظ کرتے ہین وہی لکھتے ہین تو یقینی نتیجہ نکلتا ہے کہ متقدمین شعراء نے جیسا لکھا ہی ویسا ہی تلفظ بھی کرتے تھے،

شاہنامہ فردوسی اور مثنوی مولانا روم کے سمندر کو کھنگالنا چونکہ زیادہ فرصت طلب تھا اسلئے اس بارہ مین مین نے ڈار مسٹیٹر کے اس بیان پر اعتماد کرتا ہون جو علی الترتیب اسپیگل (Spaegel) اور سپہر کاشانی کی شہادت پر مبنی ہے کہ "قدیم شعراء مثلاً فردوسی نے کبھی "معروف" کا "مجہول" سے قافیہ نہین کیا، سپہر کی اصلی عبارت یہ ہے:- کہ

" شعراے متقدم جمیعا رعایت نمودہ اند و مجہول با معروف نیاوردہ اند و مولوی معنوی در مجہولات یای غایت سعی مبذول نمودہ و نیک باید دانست کہ درین اشعار نیز رعایت

کردہ است کہ فرمودہ، کار پاکان را قیاس از خود مگیر + گرچہ باشد در نوشتن شیر شیر یعنی در نوشتن شیر درندہ را چون شیر خوردنی نویسند، البتہ چنین بود زیرا کہ در تکلم تفاوت کنند نہ در نگارش پس شیر خوردنی کہ بیاے معروف است با مگیر قافیہ نمودہ"

ڈاکٹر سخاؤ نے بیرونی کی کتاب آثار الباقیہ کے ترجمہ پر جو مقدمہ لکھا ہے، اسکی چند سطرون کا اقتباس بھی بے محل نہوگا کہ اس سے فردوسی کے عہد کے لئے ہمارے دعوی پر مزید روشنی پڑتی ہی

"بیرونی کے معنی باہر والے کے ہین، جو فارسی لفظ بیرون سے مشتق ہے..... ہمارے زمانہ مین اس لفظ کو طہران مین (یاے معروف) کے تلفظ سے ادا کرتے ہین، لیکن فارسی لغت نویسون کی شہادت کی بنا پر اسکا تلفظ یاے مجہول کے ساتھ ہے، مشہور سوانح نگار سمعانی جو لسانیات کا عالم ہے، اور بیرونی سے صرف "سو" سال بعد گذرا ہے، اس نے لکھا ہے کہ وسط ایشیا مین "بیرون" کا تلفظ بیاے مجہول تھا،"

ممکن ہے، کسی کے دل مین یہ اعتراض پیدا ہو کہ ڈاکٹر سخاؤ نے سمعانی کی سند سے جو کچھ لکھا ہے اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ وسط ایشیا مین مجہول کا تلفظ معروف سے الگ تھا، اصل ایران کے بارہ مین اس قول کی کوئی سند نہین ہو سکتی، مگر یہ اعتراض کچھ نتیجہ خیز نہین ہے، کیونکہ اس زمانہ مین وسط ایشیا اور افغانستان ہی کے شہر مثلاً سمرقند، بخارا، خیوا، خارزم، غزنی، ہرات، غور ہی وغیرہ فارسی علم و ادب کے مرکز تھے، اور اس زمانہ کا خراسان آج کے خراسان سے بہت وسیع تھا، فارسی شاعری موجودہ ایران مین نہین بلکہ وسط ایشیا ہی مین پیدا ہوئی اور وہین نشو و نما حاصل کیا، دقیقی، فردوسی، عنصری، فرخی، رومی، اور سیکڑون انکے معاصر شعراء موجودہ ایران سے نہین بلکہ افغانستان و وسط ایشیا ہی کی سرزمین سے تعلق رکھتے ہین، جہان آج بھی معروف و مجہول کا فرق موجود ہے، ہندوستان مین فارسی زبان پہلے پہل یہین سے آئی، اور

فیضی، خسرو، مسعود سعد سلمان وغیرہ جیسے اساتید فارسی کو اسی خاک ہند سے پیدا کیا جو بعد کے فارسی شعراء کے لئے نمونۂ تقلید و استناد بن چکے ہین۔

لہذا ہندوستان کا فارسی تلفظ آج کے مسلمانون کا اختراع نہین، بلکہ یہ وہی تلفظ ہے جو فارسی علم و ادب کے اصل وطن مین صدیون سے پہلے موجود تھا، اور اب بھی موجود ہے،

لہذا اگر فارسی کے قدیم و مستند شعراء معروف و مجہول کے تلفظ مین فرق کرتے تھے تو کیا علمی حیثیت سے یہ لازمی نہین ہے کہ انکے کلام کو ہم بھی اُسی تلفظ سے پڑہین جس سے وہ پڑہتے تھے اسی قدیم خصوصیات تلفظ وغیرہ کو بھلا کر فردوسی وغیرہ کلاسکل شعراء کے کلام کو موجودہ تلفظ و تہجی کے اعتبار سے لکھنا اور چھاپنا گیا اُسی درجہ کی سائنٹفک غلطی ہوگی جسطرح اگر چوسر و شیکسپیر کے تلفظ و تہجی کے تمام خصوصیات کو فنا کرکے اُنکو موجودہ انگریزی زبان کا شاعر بنا دیا جاے ؟

اب ہمکو یہ دیکھنا ہے کہ اہل ایران نے کب سے غلط روی شروع کی ہے، اور موجودہ فاسد اور بگڑے ہوے تلفظ کا راستہ کس زمانہ سے اختیار کیا ہے، اتنا تو یقینی کہ حافظ کے عہد (چودہوین صدی عیسوی) تک اس فتنہ کا آغاز نہین ہوا تھا، لیکن غالباً اس عہد کے تھوڑے ہی عرصہ بعد اس نے سر اٹھایا، صفوی دور مین اس اختلال کے آثار زیادہ نظر آتے ہین، یہانتک کہ قاچاری دور کے آتے تک اصلی قدیم تلفظ بالکل مفقود ہوجاتا ہے۔

دیوان حافظ مین ۲۵ غزلین یاے مجہول کے قافیہ کی ہین، اور ۷۰ یاے معروف کی جنمین ایک مثال بھی ایسی نہین ہے جہان معروف کا مجہول یا مجہول کا معروف سے قافیہ کیا گیا ہو، لیکن اٹھارہوین صدی تک پہنچتے پہنچتے تلفظ کا یہ اختلال و فساد اچھی طرح ایران مین جڑ پکڑ گیا اور صاحب براہین العجم، مرزا لطف علی بیگ کے چند اشعار نقل کرکے (زرویش تار زلفین گرہ گیر + چو تارِ عنکبوتان شد سرازیر، وغیرہ) جنمین "سرازیر" کا

"گرہ گیر" "ہری" کا "پری" "دل آویز" کا "چیز" "سور" کا "دور" "امید" کا "دید" اور "آری" کا "یاری" سے قافیہ کیا گیا ہے، لکھتا ہے کہ یہ غلطی ہے، کیونکہ "واو و یاے ہر یک این الفاظ کہ اول ذکر شد مجہول اند و ثانی معروف" اسکے علاوہ سحاب، والہ، اور مجمر کے کلام سے بھی اسی قسم کی مثالین نقل کرکے تغلیط کی ہے۔

یہ کوئی نادر بات نہین ہے بلکہ دور حاضر کے شعراء قاآنی و نشاط وغیرہ کے ہان اس غلطی کے ارتکاب کی مثالین بکثرت ملتی ہین، دربار کے شاعر بہار مشہدی نے سرا ڈور ڈگرے کا مدحیہ لکھا ہے، جسمین "گرے" کا قافیہ "نسیم سحری" سے کیا ہے،

سوی لندن گذرای پاک نسیم سحری	سخنے از من گو بہ سراڈ ور ڈ گرے

قاآنی کہتا ہے:-

ہر جا کہ بود مہرش چون شہد شود سم	ہر جا کہ بود قہرش چون زہر شود شیر
در سایۂ عدلش زبس ایمن شدہ عالم	آسودہ چرد آہو، در خوابگہِ شیر

اسی طرح نشاط لکھتا ہے،

اے شیفتۂ روی نکوے تو جہانی	نیکو نتوان گفت کہ نیکوتر از انی
وانرا کہ در اوصاف تو باشد سرِ گفتار	ہر عضو لبی باید بہ موی زبانی

۴ - اب بطور چوتھی اور آخری دلیل کے ذیل مین خود خالص ایران کے چند مشہور و مستند مصنفین کی شہادتین پیش کیجاتی ہین، شمس قیس، جس نے شیخ سعدی کے قدردان اتابکون کے دور یعنی ساتوین صدی ہجری مین اپنا معجم تصنیف کیا ہے، جسکی اہمیت کا اندازہ پروفیسر براؤن کے اس بیان سے ہو سکتا ہے کہ "عربون کے فتح ایران سے لیکر اسوقت تک قریباً تیرہ سو سال کی طویل مدت مین جہانتک ہمکو معلوم ہے، اس سے بڑھکر مکمل، جامع اور

صحیح کتاب اپنے مضمون پر کوئی نہین لکھی گئی ہے" وہ لکھتا ہے کہ

"ضمہ ماقبل واو در لغت فارسی دوگونہ بود مشبعہ و ملینہ چنانکہ ضمہ مور و سور و ملینہ چنانکہ ضمہ روز و بوز وہم چنین کسرۂ ماقبل یا، دوگونہ باشد مشبعہ و ملینہ، مشبعہ چنانکہ کسرۂ نیل در بخیل و ملینہ چنانکہ کسرہ دیر و پریر و متقدمان شعرا، متحرک بضمہ مشبعہ را مرفوع معروف خواندہ اند و متحرک بضمہ ملینہ را مرفوع مجہول وہم چنین متحرک بکسرہ مشبعہ را مکسور معروف و بکسرہ ملینہ را مکسور مجہول، و بہیچ وجہ میان مکسور معروف و مکسور مجہول در قوافی جمع نشاید کرد"۔

گو فارسی دور تک آتے آتے ایران کا یہ اصلی تلفظ بولنے لکھنے دونون مین بالکل معدوم ہو چکا ہے، اور عام طور پر شعرا اس وبا سے محفوظ نہ رہ سکے، لیکن پھر بھی کچھ نگاہون مین یہ امتیازی کی یہ غلطیان آج بھی کھٹک جاتی ہین۔ "براہین العجم" کا مصنف جو پچھلی صدی کا آدمی ہے اپنے ہم وطنون سے کہتا ہے کہ "باید دانست کہ یاے معروف را با یاے مجہول قافیہ نتوان آورد" اور جدید شعراء کی نہایت تفصیل سے اس قسم کی غلطیان گنائی گئی ہین،

مجمع الفصحا کے مصنف رضا قلی ہدایت نے "انجمن آراے ناصری" مین لفظ "شیر" کی تحت مین لکھا ہے کہ

"شیر باول مکسور و یاے مجہول معروف است و برج اسد را نیز گویند ...... و دیگر معنی شیر است کہ می خورند و باین معنی با یاے معروف است نہ مجہول و استادان شعر این و دیا را باید گر قافیہ نمی کنند و فرق می گذارند،

شہزادہ نجف قلی مرزا صاحب "درۂ نجفی" جس نے فن عروض پر ایک نہایت ہی مفید کتاب آج سے صرف آٹھ سال قبل لکھی ہے، لکھتا ہے کہ "شیر خوردنی کہ یای آن معروف است

با شیر درندہ کہ یاے آن مجہول است قافیہ نباید کرد"

اس سے بھی بڑھکر یہ ہے کہ بعض الفاظ مین قدیم تلفظ کی یادگار اتبک اہل ایران کی خود زبان پر باقی ہے، یعنی آرے اور بلے کو وہ آج بھی یاے مجہول ہی سے بولتے ہین، نیز "ریش" (زخم اور داڑہی) بیش (زہر اور زیادہ) وغیرہ، بہتیرے الفاظ کی نسبت اہل لغت صاف صاف لکھتے ہین کہ انکے دو مختلف معنی معروفی و مجہولی تلفظ ہی کی تفریق سے پیدا ہوتے ہین۔

الحاصل (۱) خود یاے مجہول کی اصطلاح (۲) پہلوی اوستا مین مجہولی تلفظ کا وجود (۳) اسلامی عہد کے شعرا کے کلام کی شہادت اور (۴) خالص ایران کے مستند مصنفین کے بیانات کی بنا پر ہم ذیل کے نتائج بالکل بجا طور پر نکال سکتے ہین:۔ کہ

(۱) یاے مجہول کی آواز یاے معروف سے اصلاً مختلف ہے، (۲) یہ خالص ایران کی آواز ہے جو اسلام سے صدیون پہلے موجود تھی، اور اسلام کے بعد بھی کم از کم چودھوین صدی کے خاتمہ تک یقیناً موجود رہی، (۳) جسکو ہندوستانی تلفظ کہا جاتا ہے، وہی حقیقت مین فارسی کا قدیم و اصلی تلفظ ہے، جو رودکی، فردوسی، سنائی، انوری، خاقانی، نظامی، عطار، رومی، سعدی، حافظ جیسے اساتذ شعرا اور انکے معاصرین کی زبان پر نہایت اہتمام و پابندی کے ساتھ جاری تھا، (۴) لہذا انکی کتابون اور چودھوین صدی عیسوی تک کے عام فارسی لٹریچر کو پڑھتے وقت اگر ہندوستانی تلفظ کی پابندی کیجائے تو اسکو نہ صرف "غلط" و "فاسد" کہنا غلط ہوگا بلکہ علمی و سائنٹفک حیثیت سے صرف یہی تلفظ صحیح ہوگا، اور موجودہ ایران کا تلفظ "غلط" و "فاسد" ٹھہریگا، (۵) البتہ صفوی اور اسکے بعد کے زمانہ کی تصانیف کو پڑھتے پڑھاتے وقت اگر موجودہ تلفظ کا اتباع کر لیا جاے تو زیادہ قابل اعتراض نہوگا، گو خود ایران کے

ارباب بصیرت مصنفین آج بھی معروف و مجہول کے تلفظ کی اس لے امتیازی کے روادار
نہین ہین، (۶) ساتھ ہی اس تفریق و امتیاز کے قائم رکھنے مین ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ
ایک ہی لفظ کے جو مختلف معنی ہوتے ہین، اختلاف اصوات کی پابندی سے انکی طرف
سُننے والے کا ذہن زیادہ آسانی سے منتقل ہوجاتا ہے"

معارف :- یہ بحث چونکہ محض نظری نہین ہے، بلکہ فارسی کی تعلیم و تحصیل کے ایک
نہایت اہم عملی پہلو کا تصفیہ کرتی ہے، اسلئے فاضل مقالہ نگار کو امید ہے کہ فارسی کے ہواخواہ
علی العموم اور اساتذہ و معلمین علی الخصوص اسکی طرف واجبی اعتنا فرمائینگے، اور کم از کم خط و
کتابت کے ذریعہ سے انکو اپنی رد و قبول کی رائے سے اطلاع دینگے، تاکہ بحث کے بقیہ
قدم اُٹھانے کے لئے ہمت افزائی ہو۔

ہمارے نزدیک یہ ثابت و مسلم ہوچکنے کے بعد کہ رودکی و فردوسی سے لیکر سعدی و حافظ
تک وہی تلفظ تھا جو آج ہم ہندوستانیون کا ہے، ایک بڑی حد تک عمل کا بھی فیصلہ ہوجاتا ہے،
فارسی زبان کا جو لٹریچر ہندوستان بلکہ تمام دنیا اور خود ایران مین زیادہ تر پڑھا پڑھایا جاتا ہے،
وہ وہی ہے جسکو اسلاف فارسی نے پیدا کیا تھا، باقی اس زمانہ کے نئے وارثون نے اپنے
ادبیات مین کوئی ایسا قابل نازش اضافہ نہین کیا ہے جسمین باہر والون کے لئے کشش و دلچسپی کا
کچھ خاص سامان ہو اور جسکے حصول کیلئے موجودہ اہل ایران کی تقلید و نقالی ناگزیر ہو۔

رہی یہ بات کہ فارسی چونکہ سنسکرت کی طرح کوئی مردہ زبان نہین ہے، اسلیے ادبیات
قدیمہ کی تعلیم و تعلم مین نہ سہی لیکن بول چال مین ہمکو یقیناً آج ہی کل کے ایرانیون کا اتباع کرنا
ہوگا، تو گو اسکے جائز سمجھنے مین ہمکو تامل نہین، تاہم اس بارہ مین بھی ترجیح ہم اپنے لئے قدیم ہی تلفظ

دینگے، اسلئے کہ فارسی زبان بولنے کی حد تک صرف قاآنی و نشاط ہی کے نہین بلکہ فردوسی و نظامی کے
وطن (وسط ایشیا) مین بھی زندہ ہے، لہٰذا اگر خسرو و غالب کے ہم وطنون پر استناد کے لئے
کسی غیر ہی کا دامن پکڑنا واجب ہے تو پھر شیراز و طہران کے بجاے سمرقند و بخارا ہی کی کیون
نہ سند پکڑین جہان سے اصلاً ہندوستان مین فارسی داخل ہوئی تھی۔

ہم خوش ہین کہ بمبئی کے "حلوہ فروش"، "مغلون" اور "چاے فروش" ایرانیون کی دبا ابھی
بمبئی یونیورسٹی کے احاطہ سے باہر زیادہ متعدی نہین ہونے پائی تھی، کہ پروفیسر موصوف نے
ہمکو چونکا دیا، البتہ بمبئی و جوار بمبئی مین اس فتنہ کے سد باب کے لئے زیادہ بلیغ اہتمام کی
ضرورت ہے کہ بیچارے سرد ملک کے رہنے والے سراڈ ور ڈگرے پر نسیم سحری کے جھونکے
ایران کی طرح ہندوستان مین برداشت کرینکی مصیبت نہ پڑے،

پچھلے اگست کے معارف مین جناب ہوش بلگرامی کے نام سے بھی "یاے مجہول" کی بحث
پر قافیہ کے نقطۂ نظر سے ایک مختصر سی تحریر شائع ہوچکی ہے، اسمین بھی اسکی تصریح کیگئی ہے کہ متقدمین
قافیہ مین معروف و مجہول کو جمع نہین کرتے تھے، اسمین محقق طوسی کی "معیار الاشعار" سے ایک
عبارت نقل کیگئی ہے، جسکا ایک فقرہ یہ ہے کہ "شاید بر بعض مردم ملتبس گردد" جس سے یہ
نتیجہ نکالا گیا ہے کہ "محقق کے زمانہ مین بعض ایسے لوگ تھے جنکی نظر مین یاے معروف و مجہول
ایک ہی چیز تھی" لیکن ہمارے نزدیک اس فقرہ کے سمجھنے مین تسامح ہوا ہے، مراد یہ ہے کہ
یاے معروف و مجہول کے قریب التلفظ ہونے کی وجہ سے شاید بعضون کو التباس واقع ہو، قرینہ
عبارت بھی اسی پر دال ہے، "و ہو ہذا" "چنانچہ "پسری" در خطاب "و خبرے" در نکرہ، پس کسرۂ را
مختلف است، و شاید کہ بر بعض مردم ملتبس گردد"۔

انگریزون کی ترقی کاراز

(ایک فرانسیسی مصنف کے نقطہ نظر سے)

(۱)

از مولوی محمد سعید صاحب انصاری رفیق دارالمصنفین

براعظم یورپ مین فلسفۂ عروج وزوال اقوام پر جو کتابین لکھی گئی ہین، ان مین موسیو دیمولان کی کتاب کو نہایت مقبولیت حاصل ہوئی، جسمین اس نے انگریزون کی ترقی اور دوسری قومون کے تنزل کے علل واسباب نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہین، اور انگلش نظام تمدن کے تمام اجزا، مثلاً تعلیم، تربیت، سیاست، حکومت، تجارت، زراعت، صنعت، حرفت، اور اخلاق نفسیہ کا جرمن اور فرنچ نظام تمدن سے مقابلہ کرکے یہ ثابت کیا ہے کہ نفسی حیثیت سے انگلش قوم جرمن اور فرنچ اقوام سے زیادہ ترقی یافتہ ہے، اور انگریزون نے دنیا پر جو عام تسلط حاصل کرلیا ہے اسکا یہی سبب ہے، اس بنا پر اسکی کتاب کے مطالعہ سے ایک ساکن اور جامد قوم کی تمدنی سطح مین حرکت پیدا ہوتی ہے، اور وہ اس خضر طریقت کی رہنمائی مین بہت جلد اپنی منزل مقصود کا پتہ لگا سکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ جب سنہ ۱۸۹۷ء مین وہ پریس سے چھپکر نکلی تو تمام عالم مین ایک غل پڑگیا، اور لیبر پارٹی کے جھونپڑون سے لیکر ایوانہائے حکومت تک اسکے غلغلہ سے گونج اٹھے،

دو ماہ کے اندر وہ تمام دنیا مین پھیل گئی، جرمن، فرنچ، انگلش، اٹالین اور امریکین اخبارات نے اسپر ریویو لکھے، اور اسکے مباحث کا خلاصہ کیا، متعدد زبانون مین اسکا ترجمہ ہوا،

ہر طرف سے مصنف کے پاس مبارکباد کے خطوط پہنچے، اور اسکی رائے سے اتفاق کیا گیا، اسطرح تھوڑے ہی دنون مین دنیا کے گوشہ گوشہ سے دیمولان کی آواز آنے لگی،

خود رند میخوارہ فرانس، جسکی رندی، سیہ مستی، کاہلی، اور مفت خواری کا اس کتاب مین جا بجا خاکہ اڑایا گیا ہے، اس غلغلہ سے چونک اٹھا اور اپنے چہرہ سے غفلت کی نقاب الٹ دی، چنانچہ تیرہ پرجوش نوجوانون نے مل کر ایک کمیٹی قائم کی جس نے سنہ ۱۸۹۹ء مین پیرس کے قریب ایک کالج رومن نظام تعلیم کی مخالفت مین قائم کیا، اسلئے اسکا صحن نہایت کشادہ، اسکا باغ نہایت وسیع، اور اسکی عمارت نہایت شاندار اور بلند بنائی گئی، باغ مین ورزش وغیرہ کا انتظام کیا گیا، قدیم وحشیانہ طریقۂ تعلیم کو چھوڑ دیا گیا، ایک جدید نصاب تیار کیا گیا، جسمین صنعت وحرفت کی تعلیم کو خاص طور پر اہمیت دیگئی، اور انکی تعلیم کے لئے ماہرین فن مقرر کئے گئے، اور ان تمام چیزون مین انگلش نظام تعلیم کو سامنے رکھا گیا، اسطرح دیمولان کے خیالات نے ایک عملی شکل اختیار کی اور فرانسیسی قوم مین ایک جدید دور کا آغاز ہوا۔

چونکہ موجودہ زمانہ مین اس قسم کی کتابون کی شدید ضرورت ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسکے تمام مفید مباحث اہل ملک کے سامنے لائے جائین، کیونکہ ہندوستان جدید اور فرنگستان قدیم کے حالات مین بڑی حد تک مناسبت اور مشابہت پائی جاتی ہے،

تعلیم وتربیت کا موازنہ

انگلش نظام تعلیم مین تربیت پر بہت زیادہ زور دیا جاتا ہے، اس لئے دیمولان نے فرانسیسیون کے تنزل کا اصلی سبب فساد تربیت ہی کو قرار دیا ہے، چنانچہ لکھتا ہے،

"اگر تم سو فرنچ فارغ التحصیل طلبہ سے یہ سوال کرو کہ آیندہ ان کا مشغلہ کیا ہوگا؟ تو ان مین سے چھپتر یہ جواب دینگے کہ ہم سرکاری ملازمت کے امید وار ہین، کیونکہ انکا

غالب حصہ فوج، عدالت، وزارت، کمشنری، مال، سفارت، یا دوسرے محکمہ جات
شلاً پل، کان کنی، آب پاشی، جنگلات، تعلیم، اور مدارس وغیرہ مین داخل ہونا چاہتے ہیں،
اور آزاد پیشون کی طرف ناکام لوگون کے سوا کوئی رخ نہین کرتا،[1]

لیکن سوال یہ ہے کہ یہ خیال اُن مین کیونکر پیدا ہوا؟ اور اُسکے کیا اسباب ہین؟ دیمولان
کہتا ہے کہ اس خیال کا اصلی سبب جرمن نظام تعلیم ہے کیونکہ

"جب جرمن فرانس پر غالب آئے تو ہمنے سمجھا کہ اُنکے غلبہ کی اصلی علت اُنکے مدارس ہین،
اسلئے ہم نے تعلیم کے موضوع زیادہ کردیئے، اور مدارس کی تعداد بڑھا دی، اور یہ اہتمام
اسقدر عام ہوا کہ تمام ملک مین تعلیم مفت اور جبری کردیگئی، اور شہری اور دیہاتی سب
مدارس مین داخل ہوگئے، (اسوقت) جو شخص مدارس کے مفید ہونے مین شک کرتا تہا ہم
اس سے بغض و عناد رکہتے تھے، اور (چونکہ) لوگون مین جرمنون کی تقلید کا خیال نہایت
شدت سے جاگزین ہوگیا تہا، اسلئے ہم نے اُنکے فوجی نظام سے چند باتین اخذ کرکے
تعلیم و تربیت مین داخل کرلین،"[2]

ممکن ہے کہ جرمن نظام تعلیم کا فرانسیسیون پر کچھ اثر پڑا ہو، اور اسکے فوجی نظام کے
مختلف مظاہر فرانسیسی مدارس کے در و دیوار سے نمایان طور پر نظر آتے ہون، لیکن حقیقت یہ ہے کہ
فرانس کا قدیم نظام تعلیم بھی انہین اصول پر قائم تہا، اور اس سے بھی طلبہ کے دماغ مین اسی
قسم کے خیالات پیدا ہوسکتے تھے، کیونکہ

"سب سے پہلے جس شخص نے مدارس کو تنخواہ دارون کا تربیت گاہ بنایا وہ نپولین
اول ہے، چنانچہ سترہوین اور اٹھارہوین صدی تک (فرانس مین) بورڈنگ سسٹم کا

[1] سر تقدم الانکلیز صفحہ ۴۴، [2] ایضاً صفحہ ۵۳،

رواج شاذ و نادر تہا، اور پہلی شاہی حکومت کے قبل تک عام نہین ہوا تہا، لیکن
جب نپولین اول نے سرکاری مدارس قائم کئے تو اسکو حکماً رواج دیا، کیونکہ وہ عام
تسلط اور نفوذ جسکو وہ حاصل کرنا چاہتا تہا صرف اسی صورت مین ممکن تہا کہ تنخواہ دارون
کی تعداد زیادہ کیجائے، اسی لئے حکومت کو اُن نوجوانون کی تربیت پر خاص توجہ ہوئی
جنکو وہ آیندہ ملازمت کے ذریعہ سے اپنا دست و باز و بنانا چاہتی تھی، اس بنا پر اس نے
اپنے مصالح کو پیش نظر رکہکر چند قوانین وضع کئے، اور طلبہ کو علوم حقیقیہ سے ہٹا کر انکے
سامنے سر بسجود کردیا، جس سے اسکا اصلی مقصد حاصل ہوگیا، یعنی وہ پست ہمتی اور فرمانبرداری
کے عادی بن گئے، اُنکے خیالات مین اتحاد اور ہمرنگی پیدا ہوگئی، اور اُنکے دماغون سے
انانیت کا خیال زائل ہوگیا، پہلی حکومت کے بعد اور حکومتون نے بھی اسی نظام کو قائم
رکہا، اور آج بھی وہی قائم ہے، اسلئے تنخواہ دارون کی تعداد مین کمی نہین ہوئی، اور اعلیٰ
طبقہ کا اقتدار زمانہ سابق سے بہت بڑہ گیا، اور یہین سے سطحی تعلیم اور بورڈنگ سسٹم کی
ابتدا ہوئی،"[1]

اس سے معلوم ہوا کہ ان خیالات کے پیدا ہونے کی اصلی علت "حکومت" کا وہ نظام ہے
جو محض چند سیاسی مصالح کی بنا پر قائم کیا گیا ہے، اور چونکہ وہ جرمن اور فرانس دونون مین
مشترک طور پر پایا جاتا ہے اسلئے دونون قومین اس سے یکسان طور پر متاثر ہوئی ہین چنانچہ
قیصر ولیم شاہنشاہ جرمنی نے اپنے ایک اسپیچ مین جرمن نظام تعلیم کے متعلق حسب ذیل خیالات
ظاہر کئے ہین،

"مین جب نظام تعلیم پر غور کرتا ہون تو صاف نظر آتا ہے کہ ہمکو جس چیز کی ضرورت

[1] سر تقدم الانکلیز صفحہ ۸۴،

تھی وہ مدارس سے حاصل نہین ہوئی، ××× ۱۸۷۰ء سے پروفیسر دن نے اپنی توجہ تمامتر تعلیم کی طرف مبذول کر رکھی ہے، اور تربیت کا خیال ترک دیا ہے، ×××× اسلئے ضرورت ہے کہ اس مرض کا علاج کیا جائے، اور اسکی صورت صرف یہ ہے کہ ہم موجودہ حالت کو چھوڑ دین، لیکن دقت یہ ہے کہ جس حد تک پہنچکر ٹہر جانا چاہیئے، ہم اُس سے بہت آگے بڑھ گئے ہین، مدارس نے لوگون پر بہت زیادہ بار ڈال دیا ہے، اور اُن سے طلبہ اس کثرت سے نکلے ہین جنکی نہ ضرورت ہے، اور نہ قوم اُن کا بار اُٹھا سکتی، ×××× اسلئے اب مدارس کی تعداد بڑہانے کی ضرورت نہین اُنکی تعداد کافی ہے"۔

لیکن وہ کیا چیز تھی جسکی شہنشاہ جرمن اپنے مدارس سے توقع رکھتا تھا؟ اسکا جواب بھی اسی کی زبان سے سنا چاہیئے، وہ کہتا ہے،

"مدارس کا یہ فرض تھا کہ وہ اصل مقصد کی جانب توجہ کرتے، یعنی وہ قوم مین ایسی تعلیم پہیلاتے جو نوجوانون مین وہ اوصاف پیدا کرتی، جنکی فرائض حکومت کی انجام دہی مین ضرورت پڑتی ہے، تاکہ ہم بہت جلد اپنے ملک کی ترقی کا نظارہ کرسکتے"[1]۔

اس بنا پر جرمن اور فرانس دونون کے نظام تعلیم مین "سیاست" کی روح جلوہ گر ہے جو طلبہ کو اپنے اغراض و مقاصد کے مطابق ڈہالنا چاہتی ہے، اسلئے فرانس کے نظام تعلیم کو جرمنی کا پرتو قرار دینا صحیح نہین ہے، وہ خود اپنے نظام سیاست کا پرتو ہے، جو ہر چیز کو سلطنت کے دامن مین سمیٹنا، اور رعایا کو ایک دست شل بنا دینا چاہتا ہے، یہی حالت جرمنی کی بھی ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ

"دونون ملکون مین خیالات بالکل متحد اور غرض بالکل ایک ہے اور وہ یہ کہ مدارس کو

[1] سر تقدم الانکلیز صفحہ ۶۱۔

سیاسی تسلط حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا جائے"[1]۔

بہرحال اس نظام تعلیم سے جو خرابیان پیدا ہوئین وہ حسب ذیل ہین،

(۱) تعلیم نہایت سطحی ہوگئی، جسکا سبب یہ ہے کہ جب لوگ نہایت کثرت سے ملازمت کی طرف مائل ہوے تو حکومت نے امتحان کا طریقہ ایجاد کیا، اور اسکو سخت کرنے کے لئے نصاب مین کتابین زیادہ کردین، اور چونکہ وقت کم رکھا تھا اسلئے طلبہ کو اسی محدود وقت مین امتحان کے لئے تیار رہونا پڑا، اسکا یہ اثر ہوا کہ وہ عبارت کے رٹنے، مختصرات کے پڑہنے، جلد سمجھنے، اور کم وقت مین متعدد موضوع پر تیار رہونے کے عادی ہوگئے، اسلئے نہ انکو تحقیقی معلومات حاصل ہوسکے، اور نہ اُنکے عقلی ملکات کو نشو و نما حاصل ہوئی، یہی وجہ ہے کہ قدیم زمانہ کے بہ نسبت اسوقت فرانس مین سطحی کتابین زیادہ شایع ہورہی ہین، کیونکہ اُن کے مصنفین اکثر وہ لوگ ہین جو امتحانات مین ناکامیاب ہوکر ادبی پیشون کی طرف مائل ہوگئے ہین، اور یہی وجہ ہے کہ اخبارات کے مضامین نہایت سطحی ہوتے ہین کیونکہ انکے ایڈیٹر بقول شہنشاہ جرمنی "مدارس کے ناکام طلبہ ہوتے ہین"[2]، اور اسلئے انکے مضامین مین جنرل معلومات کے علاوہ کچھ نہین ہوتا، اور یہ سطحیت اب اسقدر ترقی کرگئی ہے کہ فرانس مین کتابون کے پبلشر ایسی کتابون کے چھاپنے سے عموماً احتراز کرتے ہین جو کئی کئی جلدون مین ختم ہوتی ہین، کیونکہ ایک جلد سے زیادہ کی کتاب کو لوگ دلچسپی کے ساتھ نہین پڑہتے،

(۲) طلبہ سے قوت عمل مفقود ہوگئی، اور اسکے وجوہ حسب ذیل ہین:-

۱- کام کرنے کے لئے جوانی کی ضرورت ہوتی ہے اور ہمارے طلبہ کا زمانہ شباب زیادہ تر مدارس ہی مین ختم ہوجاتا ہے، کیونکہ حکومت نے ملازمت کے لئے عمر کی قید لگا رکھی ہے،

[1] سر تقدم الانکلیز صفحہ ۶۱ [2] ایضاً صفحہ ۵۸۔

جسکی وجہ سے ۲۰، ۲۵ بلکہ بعض اوقات ۳۰ سال تک طلبہ کا وقت بیکاری مین گذر
جاتا ہے، اور جب اس زمانہ مین بھی ملازمت نہین ملتی تو پھر وہ ہاتھ پاؤن توڑ کر بیٹھ جاتے ہین
اور ان پر تمام صنعتون کا دروازہ مسدود ہو جاتا ہے، اور چونکہ یہ عام قاعدہ ہے کہ انسان کی
عمر کے ساتھ ساتھ حرص بھی بڑھتی جاتی ہے اسلئے وہ کسی کام کو استقلال کے ساتھ نہین کر سکتے
اور انکے تمام کاروبار ابتر رہتے ہین،

۲۔ ہمت و ارادہ، عزم و استقلال، اور اعتماد علی النفس بھی کام کرنے کے لئے
لازمی ہین، اور افسوس ہے کہ ہمارا نظام ان ملکات کی تربیت نہین کرتا، بلکہ انکو بالکل
کمزور اور مردہ کر دیتا ہے، کیونکہ سرکاری دفاتر مین ان چیزون کی مطلق ضرورت نہین ہوتی
وہان صرف گریڈ اور سینیرٹی کا لحاظ کیا جاتا ہے، اسلئے طلبہ سے یہ تمام قابلیتین مفقود
ہو جاتی ہین، اسی بنا پر شہنشاہ جرمن نے کہا ہے کہ

"طریقہ تعلیم و تربیت کو ان حالات کے مطابق ہونا چاہیئے جنہین رہ کر ہمنے اقوام
عالم کی صف مین جگہ حاصل کی ہے، تاکہ (ہمارے نوجوانون مین) کشمکش حیات کا
مقابلہ کرنے کی قوت پیدا ہو[1]"

قیصر کے اس مقصد کو جرمن وزیر تعلیمات نے اپنے خطبہ افتتاحیہ مین اور بھی واضح
کر دیا ہے، چنانچہ وہ کہتا ہے،

"جرمنون کو اب ایسی قوم نہین بننا چاہیئے جسکی راحت کا دار و مدار تمامتر عالم خیال
پر ہو اب پروشیا اور جرمنی کی حالت بدل گئی ہے، کیونکہ قوم کی نظرین بیرونی ممالک کی
طرف اٹھ رہی ہین اور وہ نو آبادیون کے قائم کرنیکی طرف مائل نظر آتی ہے[2]"

۱؎ سر تقدم ما انگلیز صفحہ ۵۷ ۲؎ ایضاً صفحہ ۵۶،

اس سے معلوم ہوا کہ تعلیم کا عملی حیثیت سے یہ مقصد ہونا چاہیئے کہ قوم مین ایسے افراد
پیدا ہون جو بیرونی ممالک مین رہ کر اجنبی قومون کے دوش بدوش کام کر سکین، اور اس
راہ مین جو مشکلات حائل ہون انکا نہایت استقلال سے مقابلہ کر کے تمام دنیا پر چھا جائین،
لیکن ظاہر ہے کہ مدارس کے طلبہ سے یہ توقع پوری نہین ہو سکتی کیونکہ وہ اپنے زمانہ تعلیم مین
فراغت و کتاب و گوشہ چمنے کے اصول پر زندگی بسر کرتے ہین، اسلئے صنعت و حرفت اور
کسب و عمل سے بالکل بے بہرہ رہتے ہین، اور اس بنا پر وہ اس میدان کے مرد نہین ہو سکتے

(۳) اخلاقی روح مردہ ہو گئی، جسکی وجہ یہ ہے کہ چونکہ ہمارا نظام تعلیم طلبہ کو صرف ملازمت
کے قابل بناتا ہے، اسلئے اس نے تمام قوانین مین انکو اطاعت اور فرمانبرداری کی تعلیم
دی ہے، یہی وجہ ہے کہ کالج اور اسکول کے در و دیوار سے صرف اطاعت کی آواز آتی ہے، اور بورڈنگ
ہاؤس مین گھنٹے کی آواز پر جو کام کئے جاتے ہین اور جنکی وجہ سے طلبہ کی زندگی، فوجی
زندگی کے حدود مین داخل ہو جاتی ہے، سب کے سب اسی روح کا مظہر ہوتے ہین، فوجی
زندگی مین غور و فکر سے مطلق کام نہین لیا جاتا، اور عقل و فہم کو چہار دیواری کے حدود سے باہر
کر دیا جاتا ہے، اسلئے اسکول اور کالج مین بھی طلبہ صرف قوت حافظہ سے کام لیتے ہین، اور
جو طالب العلم قوی الحافظہ، سریع الخیال، اور زود فہم ہوتا ہے اسکی تعریف کیجاتی ہے، لیکن
جو غور و فکر، اور تعقل و تدبر کا عادی ہوتا ہے اسکو کوئی نہین پوچھتا، ان اوصاف کی بنا پر
اگرچہ طلبہ سرکاری ملازمت حاصل کر لیتے ہین اور بظاہر ہمارا نظام اپنے مقاصد مین کامیاب
نظر آتا ہے، تاہم اس سے وہ تمام اخلاقی اوصاف مفقود ہو جاتے ہین، جن پر کسی عظیم الشان
تمدن کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے، اُنسے غور و فکر کا مادہ سلب ہو جاتا ہے، اُنکی ہمت اور
اقدام عمل کے جذبات سست ہو جاتے ہین، اور سب سے بڑھکر یہ کہ خود "انانیت" بھی فنا

ہوجاتی ہے جسکے کہو دینے سے وہ صوفیون کی طرح صابر، شاکر، ہیچ‌خیال، رضاجو، بےحس
اور پست ہمت ہوجاتے ہین، اور یہی قوم کی سب سے بڑی بدقسمتی ہے،

(۴) صحت خراب ہوگئی، اور اسکی وجہ صاف ظاہر ہے، ایک قلیل اور محدود وقت
مین متعدد موضوع پرتیار ہونیکا طلبہ کی صحت پر نہایت مضر اثر پڑتا ہے، یہی وجہ ہو کہ
آج ضعف بصارت کی عام شکایت پیدا ہوگئی ہے، اور اسمین ۷۰ فیصدی طلبہ مبتلا
نظر آتے ہین، لیکن سوال یہ ہے کہ جن لوگون کو آنکہون سے نظر نہین آتا وہ ہمارے کس
کام آسکتے ہین؟ ہم دنیا کو اپنی اصلی آنکہون سے دیکہنا چاہتے ہین، لیکن ہمارا نظام تعلیم شیشہ
کی آنکہون سے اسکا نظارہ کراتا ہے! اور یہ اسقدر افسوسناک منظر ہے کہ جسکو دیکھکر جرمنی کا
مطلق العنان فرمانروا بھی کانپ اٹھتا ہے، چنانچہ وہ اپنی تقریر مین کہتا ہے،

"ہمارے ساتھیون مین سے (جو کل اکیس تھے) اٹھارہ آدمی عینک لگاتے تھے،
اور مین اس (تخیل) سے بہت گھبرا گیا ہون، اور آپ لوگون کو بتلانا چاہتا ہون کہ میرے
پاس رعایا کی بےشمار درخواستین آرہی ہین، اور مجھکو اس حالت کی طرف متوجہ کیا جارہا ہے
اور چونکہ مین ملک کا باپ ہون، اسلئے یہ ذمہ داری تمامتر مجھپر عائد ہوتی ہے، اس
بنا پر مین اعلان کرنا چاہتا ہون کہ یہ حالت آیندہ باقی نہین رہیگی"

اور جب یہ حالت آیندہ باقی نہین رہ سکتی تو کیا ہمکو اس نظام پر زیادہ عرصہ تک قائم
رہنا چاہیئے؟ یہ وہ سوال ہے جسکے جواب مین ہرطرف سے اصلاح تعلیم کی صدائین بلند ہوتی ہین،
کیونکہ طلبہ کی زندگی پر مدارس کا سب سے زیادہ اثر پڑتا ہے لیکن مدارس کی حالت عام طور پر
نہایت خراب ہے، اسلئے ہمکو اپنے مدارس کے حدود سے نکلکر سکسن مدارس کے حدود مین
قدم رکہنا چاہیئے،

انگریزی حکومت کا نظام جرمنی اور فرانس سے بالکل مختلف واقع ہوا ہے، وہان
افراد بالکل آزاد رکہے گئے ہین، اور انکو حکومت کا غلام نہین بنایا گیا ہے، اسلئے اُس کا
نظام تعلیم بھی طلبہ کو اپنا غلام نہین بناتا، بلکہ وہ علم کے ساتھ عمل کی بھی تعلیم دیتا ہے اور
انکی تربیت کا خاص طور پر خیال رکہتا ہے، اور چونکہ انگریز سرکاری ملازمت کی طرف
بہت کم مائل ہوتے ہین، اسلئے مدارس مین

"درسی تعلیم کو زیادہ اہمیت نہین دیجاتی"[1]

بلکہ بقول ڈاکٹر ریڈی وہان تعلیم کا یہ مقصد سمجھا جاتا ہے کہ

"تمام انسانی ملکات کو یکسان طور پر نشو و نما دیجائے جس سے لڑکے انسان کامل
بنکر زندگی کے مقصود اصلی تک پہنچ سکین، اس بنا پر مدارس کو وہ مصنوعی ظرف
نہین ہونا چاہیئے جسمین طلبہ صرف کتاب پڑہنے کے عادی ہوجائین، بلکہ انکو ایک
عملی ظرف بننا چاہیئے جسمین حتی الامکان طلبہ کو اشیاء کے طبائع اور حقائق سے روشناس
کرایا جائے، تاکہ وہ علم کے ساتھ عمل کی بھی تعلیم پائین، کیونکہ یہ دونون چیزین باہم لازم ملزوم
ہین، اسلئے جسطرح وہ مدارس کے باہر پائی جاتی ہین، بعینہ اسی طرح انکو مدارس کے
حدود مین بھی پایا جانا چاہیئے تاکہ جب یہ نوجوان عرصۂ حیات مین قدم رکہین تو انکو
یہ نہ معلوم ہو کہ کسی نئی دنیا مین آگئے ہین، جسکا انکے پاس کچھ سامان نہین، ××××
کیونکہ انسان محض عقل مجرد کا نام نہین ہے، اسکے ساتھ جسم بھی شامل ہے جو بالکل
مادی چیز ہے، اس بنا پر ضرورت ہے کہ اسکی تربیت مین ہمت، ارادہ، چستی، چالاکی،
قوت مادی، اور مہارت دستی کو بھی داخل کرلیا جائے"[2]

۱؎ سر تقدم الانگلیز صفحہ ۸۵، ۲؎ ایضاً صفحہ ۸۲،

جس سے اسمین تزاحم فی الحیات کی قوت پیدا ہو جو

"اس تربیت کی غرض اصلی ہے[1]"

اس بنا پر انگریزی مدارس جرمن اور فرنچ مدارس کی طرح کوئی چھاؤنی یا جیل خانہ
نہین ہوتے جہان در و دیوار سے صرف غلامی کی آواز سنائی دیتی ہے، بلکہ

"وہ ایک مکمل گھر ہوتے ہین[2]"

جہان خانگی زندگی کا پورا لطف حاصل ہوتا ہے، اور چونکہ ان مدارس کا مقصد تطبیق علم
و عمل ہوتا ہے، اسلئے اُنکے حدود مین ایک مستقل دنیا نظر آتی ہے، جہان زراعت ہوتی ہے،
تجارت ہوتی ہے، کارخانے ہوتے ہین جنمین طلبہ کو مختلف پیشے سکھلاے جاتے ہین،
بیطاری اور طب کی تعلیم دیجاتی ہے، تیراکی سکھلائی جاتی ہے، ورزش کرائی جاتی ہے،
چڑیا گھر ہوتے ہین، عجائب خانے ہوتے ہین، کتبخانے ہوتے ہین، گرجے ہوتے ہین[3] غرض
تہذیب و تمدن کی ہر شاخ ہوتی ہے، اور نہایت اعلیٰ پیمانہ پر ہوتی ہے تعلیم کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ
اساتذہ فن زراعت، مساحت، تعمیر، اور بیطاری وغیرہ پر لکچر دیتے اور طلبہ کو انکا عملی تجربہ
کراتے ہین، ان مدارس مین عقلی تعلیم بھی ہوتی ہے، جسکا مقصد یہ ہوتا ہے کہ

"مسمّیٰ اسماء سے قریب آجاے اور ذہن آسانی کے ساتھ لفظ سے معنی کی طرف
منتقل ہوجاے، اور طلبہ نے جو کچھ سیکھا ہے اسکے استعمال پر قادر اور اسکے حاصل
کرنیکی طرف راغب ہون، لیکن اسکا محرک کوئی انعام یا صلہ نہو بلکہ خود ان کا ذاتی
ذوق و شوق ہو[4]"

اسلئے جو طلبہ ان علوم کو حاصل کرتے ہین اُنکو حقیقی، اصلی اور ٹھوس معلومات حاصل

[1] سر تقدم الانکلیز صفحہ ۱۰۷ [2] صفحہ ۸۷ [3] از صفحہ ۷۲ تا ۷۴ [4] صفحہ ۸۹

ہوتی ہین، اور چونکہ اُنکی تعلیم کا محرک کوئی عہدہ، صلہ یا انعام نہین ہوتا، اسلئے انکی زندگی
جرمنون اور فرانسیسیون کی طرح قمار بازی کا مظہر نہین بنتی، لیکن با اینہمہ اس تعلیم مین بھی
انکے دماغون پر زیادہ بار نہین ڈالا جاتا، بلکہ انکی صحت کا خاص طور پر لحاظ رکھا جاتا ہے،
چنانچہ ڈاکٹر ریڈی کا قول ہے کہ

"جس ترازو سے ہم طلبہ کو تولتے ہین وہ اگرچہ ہمکو اس نشاط، چستی اور چالاکی کی مقدار
نہین بتلاتی جسکو ہمارے طلبہ نے حاصل کرلیا ہے، تاہم ہمکو اسکا ضرور خیال رہتا ہے کہ
کہین یہ کام اُنکے جسمون کو کمزور نہ کردے[1]"،

اس بنا پر انگریزی نظام تعلیم سے حسب ذیل فوائد حاصل ہوتے ہین،

(۱) وہان ہر فن کی تعلیم نہایت اعلیٰ پیمانہ پر دیجاتی ہے، کیونکہ طلبہ کا مقصد صرف امتحان کا
پاس کرنا نہین ہوتا، بلکہ اپنی ذات کو، قوم کو اور ملک کو فائدہ پہنچانا مقصود ہوتا ہے، یہی
وجہ ہے کہ علم الاجتماع، علم النباتات، علم طبقات الارض، علم الفلاحۃ، علم الحیوان اور علم المعادن
وغیرہ مین انگریزون سے بڑھکر کوئی قوم عالم نہین ہوتی،

(۲) قوت عمل بڑھجاتی ہے، جسکی وجہ یہ ہے کہ طلبہ کا وقت ابتدا ہی سے نہایت مفید
کامون مین صرف ہوتا ہے، اور وہ علم کے ساتھ ساتھ عمل کے بھی عادی بنائے جاتے ہین چنانچہ
وہ اپنے ہاتھ سے کاشت کرتے ہین، درخت لگاتے ہین، جہاز بناتے ہین، شہد کی مکھیان پالتے
ہین، جانورون کی پرورش کرتے ہین، ڈیری فارم قائم کرتے ہین، لوہا پیٹتے ہین، اوزار
بناتے ہین، ہتیار ڈھالتے ہین، بلکہ خود اپنی ضروریات کی چیزین بھی تیار کرتے ہین[2]، اسلئے
ان مین دنیا مین پھیلنے اور نو آبادیون کے قائم کرنے کی قوت پیدا ہوجاتی ہے جس سے

[1] سر تقدم الانکلیز صفحہ ۹۶، [2] صفحہ ۹۴،

وہ نہایت دانشمندی کے ساتھ کام لیتے ہین، چنانچہ آج سیکڑون امرا اور روسا کے لڑکے
اپنے عیش وآرام کو چھوڑکر نوآبادیون مین زندگی بسر کر رہے ہین، دنیا سمجھتی ہے کہ وہ محض
گردش روزگار کی بدولت ادہر جانکلے ہین، حالانکہ واقعہ بالکل اسکے خلاف ہوتا ہے،

(۳) اخلاقی قوت نشو ونما پاتی ہے، کیونکہ انگریزی حکومت نے نظام تعلیم کو فوجی روح کا
مظہر نہین بنایا ہے، اسلئے انگریزی مدارس کے فضا مین اطاعت وفرمانبرداری کی آواز
بازگشت نہین سُنائی دیتی، بلکہ اسکے برخلاف طلبہ بالکل آزاد ہوتے ہین[1]، اُن کے ساتھ
سکریٹری اور پروفیسرون کے تعلقات دوستانہ رہتے ہین[2]، یہ لوگ طلبہ کے ساتھ کہانا کہاتے
تفریح کرتے اور اُن سے برادرانہ سلوک کرتے ہین[3]، کالج کی استانیان انکو لیکر باغ مین بیٹھتی ہین
جہان وہ پیانو بجاتے اور گیت گاتے ہین[4]، ان باتون کی وجہ سے اُن مین انانیت ترقی کرتی ہے[5]
اور ان مین اعتماد علی النفس کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جسکو خود اساتذہ پیدا کرتے ہین، چنانچہ لارڈ
کنونسفرڈ لڑکون سے مخاطب ہوکر کہتا ہے،

"تم اپنے نفوس پر شدت کرو، کیونکہ تمہارے سامنے بہت سی مشکلات ہین جنپر تم کو
غالب آنا ہوگا، اور بہت ممکن ہے کہ تمہاری زراعت برباد ہوجائے، اور جانور مرجائین،
لیکن اس سے تمہارے عزم وارادہ مین فتور نہ آنا چاہیئے، تم بہادرون کی طرح اٹھو!
ان حالات پر غالب آو، اور اپنے نقصان کی تلافی کرو[6]"

سرگرہم پرے کہتا ہے،

"تمہین دنیا کے ہر گوشہ مین برطانی پھریرا اڑتا ہوا ملیگا، اسلئے تم کینیڈا کے سرد ملک سے
لیکر افریقہ یا اسٹریلیا کے گرم ملکون تک چکر لگاو، تم جہان بھی پہنچوگے تمکو وہ علم نظر آئیگا جو

۱ے سر تقدم الانگلیز صفحہ ۸۴ ۲ے ایضاً ۳ے صفحہ ۹۵ ۴ے صفحہ ۹۰ ۵ے صفحہ ۸۴ ۶ے صفحہ ۷۶،

ایک ہزار سال سے لڑائیون اور آندہیون کا مقابلہ کر رہا ہے، اب تمہارا زمانہ ہے
اسلئے اس طریقہ کو سمجھ لو جسپر تمہین چلنا ہے: × × × تم اپنے کام مین پس وپیش نہ کرو بلکہ
بہادر، جری، جفاکش، اور محنتی بنجاؤ[1]"

یہ ہین اخلاقی قوت کے وہ مختلف مظاہر جنکو صحیح اجتماعی تربیت نے نمایان کیا ہے،

(۴) صحت جسمانی غیر معمولی طور پر ترقی کرتی ہے، چنانچہ موسیو ریڈی کہتا ہے،

"ہمارا کالج غذا، لباس، اور طرز معاشرت کے لحاظ سے ایک ایسا کارخانہ ہے جسمین
نہایت قوی اور مضبوط اشخاص ڈہالے جاتے ہین، کیونکہ ہمارے ہان دردسر اور زکام
کی بھی بہت کم شکایت ہوتی ہے جسکی وجہ یہ ہے کہ ہم طلبہ کو صحیح رہنے کے طریقے بتلاتے
رہتے ہین، اور امراض غلطی، ناواقفیت یا کامون مین افراط اور بے ترتیبی سے پیدا ہوتے ہین،
اسلئے ہماری زیادہ تر کوشش یہ ہوتی ہے کہ انکو صاف اور ستھرا رہنے کا عادی بنائین، اور
صحیح اصول پر چلنے کی ترغیب دین[2]"

یہ تو مدارس کی تعلیم وتربیت کا تذکرہ تہا، اب ہم خانگی تربیت پر توجہ کرنا چاہتے ہین تربیت
کا اصلی مقصد یہ ہے کہ صحیح معنی مین آدمی پیدا ہون، اس بنا پر جو عورتین گہر مین بیٹھکر صرف چرخہ کاتنا
اپنی زندگی کا مقصد قرار دیتی ہین وہ اُن بچون کی مان نہین بن سکتین جو منصۂ وجود پر جلوہ گر
ہوتے ہی تمام دنیا پر چہا جاتے ہین، ایسے بچون کی پرورش کا ایک اور نظام ہے، جو رومانی نظام
تربیت سے مختلف واقع ہوا ہے،

(۱) سب سے پہلی بات یہ ہے کہ بچون کو اپنی ملک نہ سمجھا جائے، جو قومین اپنی اولاد کو جائداد
غیر منقولہ کی طرح اپنے پاس رکھتی ہین وہ محبت کی سرزمین مین عداوت کا بیج بوتی ہین، کیونکہ اس سے

۱ے سر تقدم الانگلیز صفحہ ۷۷ ۲ے صفحہ ۹۶ و ۹۷،

نہ تو بچون مین آزادی پیدا ہوتی ہے اور نہ وہ مصائب برداشت کرنیکے عادی ہو سکتے ہین،

(۲) ان سے بچون کی طرح برتاؤ نہ کیا جائے تاکہ ابتدا ہی سے اُن مین عزتِ نفس کا خیال پیدا ہو اور وہ اپنے کو ایک مستقل آدمی سمجھین، بخلاف اسکے ہمارے ہان جوان اور بوڑھی اولاد سے بھی بچون کا سا برتاؤ کیا جاتا ہے، اسلئے ان مین عزت نفس کا خیال نہین پیدا ہو سکتا،

(۳) تربیت قوم کی آیندہ ضروریات کے مطابق ہونی چاہیئے، کیونکہ اپنی اولاد کو ماضی یا حال کے مطابق ڈھالنا بالکل بیہودہ امر ہے،

(۴) لڑکون کی صحت اور قوت جسمانی سے خاص طور پر اعتنا کرنا چاہیئے، اور انکو رومن نظام تعلیم کے پنجۂ غضب سے بچانا چاہیئے،

(۵) لڑکون سے انکے سن و سال کے مطابق کام لینا چاہیئے اور انکو بیکار نہ چھوڑنا چاہیئے،

(۶) انکو دستکاری کی تعلیم دینا چاہیئے اور اسکو ذلیل نہ سمجھنا چاہیئے، یہی وجہ ہے کہ انگلستان مین بڑے بڑے امرا اور لارڈ کے لڑکے تک کاشتکار، کارخانہ دار اور تاجر ہوتے ہین اور اسکو ذلت نہین سمجھتے، جسکی وجہ یہ ہے کہ انگریزون مین تعلیم بالکل عملی طور پر دیجاتی ہے، جسمین طالبعلم کو کتاب سے چندان واسطہ نہین ہوتا، مثلاً وہان مہندس وہ لوگ ہوتے ہین جو عملاً اس کام کو کرتے بھی ہین، لیکن جو لوگ مدارس مین صرف ہندسہ کی کتابین پڑھ لیتے ہین انکو مہندس نہین کہا جاتا، اسی بنا پر دیمولان نے لکھا ہے کہ ہمارا محکمہ زراعت صرف چند ڈائرکٹر اور کلرک پیدا کرتا ہے، بخلاف اسکے انگریزون کے ہان وہ فلاح پیدا ہوتے ہین جو دنیا کو تلوار کے بجائے ہل کے ذریعہ سے فتح کر لیتے ہین،

(۷) انگریزون کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے کو ہر قالب مین ڈھال لیتے ہین، اور یہ اثر انکی اولاد مین بھی پایا جاتا ہے

(۸) وہ اپنے لڑکون کو زیادہ تنبیہ و تادیب نہین کرتے کیونکہ انسان اس سے خود اپنی نظر مین ذلیل ہو جاتا ہے،

(۹) وہ زمانۂ تربیت کے بعد اپنی اولاد کو الگ کر دیتے ہین کہ اپنے اخراجات کی خود کفیل ہو، (باقی)

منتخبات

تشکیلات اسلام

گذشتہ سفرِ یورپ کے جن نتائج کو لیکر مین لوٹا ہون، ان مین ایک یہ ہے کہ عالم اسلامی کی ترقی و فلاح سے مایوس ہونیکی کوئی وجہ نہین ہے بلکہ خدا کے فضل سے یہ غیر متزلزل یقین لیکر آیا ہون کہ ایک نیا عالم اسلامی نئے انتظامات اور نئے سر و سامان اور ایک نئی تنظیم و تشکیل (ارگنائزیشن) کے ساتھ بہت جلد ہماری آنکھون کے سامنے آجائیگا،

تمام مسلمان قومون کو اپنی حالت کا پورا پورا احساس ہوگیا ہے اور تدبیر و علاج مین مصروف ہین، ایک بڑی چیز یہ ہے کہ خلافت اسلامیہ کے تزلزل اور مسلمانون کے امور مذہبی مین اختلال نے ہر اسلامی ملک کے علما اور مذہبی جماعتون کو اپنے فرض سے آشنا کر دیا ہے، اسلئے اب ہندوستان کی طرح ہر مملکت اسلامیہ مین مسلمانون کی مذہبی شیرازہ بندی اور احکام اسلامیہ کی ترتیب و تنظیم کا مسئلہ درپیش ہے، آج جبکہ علمائے اسلام ہندوستان مین اس مسئلہ پر غور کر رہے ہین تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان سے باہر دوسرے ممالک مین علمائے اسلام تعمیر مذہبی کا جو نقشہ تیار کر رہے ہین اس سے ہمارے ہان کے کارفرما علما بھی واقف ہون تاکہ یہ معلوم ہو کہ انکے ہم پیشہ دوسرے ملکون مین بھی اپنے فرض سے غافل نہین، دوسرے اس نقشہ و تجاویز (اسکیم) کو دیکھکر مبادلۂ خیالات کا موقع ہاتھ آئے، تمہیداً اس مضمون کا شان نزول سُن لینا چاہیئے،

چند برس گذرے کہ قسطنطنیہ مین چند روشنخیال علمائے اتراک نے جمعیۃ الارشاد کے

نام سے ایک مذہبی انجمن قائم کی تھی جسکا مقصد یہ تھا کہ تمام عالم اسلامی کی مذہبی
حیثیت سے شیرازہ بندی کیجاے اور از سر نو بناے اسلام کی تعمیر کیجاے اور موسم
حج مین اس غرض کے لئے سالانہ اجماع الامۃ کے نام سے ایک اجلاس اُسکی
طرف سے منعقد کیا جاے، اس انجمن کی طرف سے ۱۳۳۲ھ مین "تشکیلات الاسلام"
ایک رسالہ شایع کیا گیا تھا جسمین مسلمانون کے نظام جماعت کو دکھایا گیا ہے، احمد حلمی بندادی
نے ترکی مین اور جسمین کامل نبردی نے عربی مین اسکا ترجمہ کیا، جس زمانہ مین دفتر خلافت
پیرس مین تھا یہ رسالہ مجھ تک پہنچا، اور اب یہ ہندوستان کے عام مسلمانون کے سامنے
پیش کیا جاتا ہے،

تمام فرائض، بالخصوص اُن فرائض پنجگانہ مین جو اسلام کا سنگ بنیاد ہین (یعنی
کلمہ توحید، روزہ، نماز، حج، زکوۃ) بہت سی حکمتین اور مصلحتین پوشیدہ ہین،

فرائض الٰہی، خصوصاً اُن فرائض سے جنپر اسلام کی بنیاد رکھی گئی ہے، وہ قوانین
الٰہیہ[1] مراد ہین، جنکی تبلیغ اولو العزم پیغمبرون نے اس غرض سے کی ہے کہ وہ استعداد زمانہ
کے مطابق سعادت انسانی کے متکفل ہون، اور یہ بلند مذہب خاتم الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ
وسلم کی ذات سے مکمل ہوا، اور جیسا کہ خداوند تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے لئے مذہب
اسلام کا انتخاب کیا کیونکہ خدا کے نزدیک صرف وہی مذہب تھا، اسی طرح خداوند تعالیٰ نے
بنی نوع انسان پر جو احسانات کئے تھے شریعت محمدیہ کے ذریعہ سے انکی تکمیل ہوئی،

انسان کی تخلیق، اور اُسکے لئے موجودات کی تسخیر، اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ

۱؎ قوانین الٰہیہ سے عادت خداوندی، سنت خداوندی، اور قوانین فطری مراد ہین، الفاظ مختلف اور معنی تقریباً ایک ہین،

انسان کی ترقی اور اسکی سعادت مشیت ایزدی کا اقتضا ہے،

لیکن اسلام جسطرح انسانی سعادت و ترقی کا متکفل ہے، اسی طرح قرآن مجید بھی
خدا کا ایک ہی قانون ہے، جو تمدن انسانی کو قیامت تک کے لئے مستمراً قائم رکھہ سکتا ہے
کیونکہ اخلاق، اجتماع، اقتصاد، اور سیاست انسانی کے لئے جن طبعی اور ضروری قوانین
کی ضرورت ہے وہ ان سب کا جامع ہے، صرف ایک ہی مذہب ہے، اور بے شبہہ وہ
اسلام ہے، کیونکہ یہ قوانین تمام دنیا کو اپنا جواب لانے کے لئے ایک مدعیانہ دعوت
دیتے ہین، اسلئے متمدن اور غیر متمدن انسان دونون انکو پڑھتے ہین، اور انکے ذریعہ سے
وہ سب کے سامنے معرکہ کارزار کھولتے ہین، اب یہ معلوم ہو جانا چاہیئے کہ اسلام کی اجتماعی
صورت حسب ذیل طریقہ سے سعادت بشری کی حفاظت کر سکتی ہے،

تمام مسلمان بھائی بھائی ہین، ان سب کو خدائی رسی کے مضبوط پکڑنے کا حکم دیا گیا ہے
سب کے سب تفریق و انتشار سے روک دیئے گئے ہین[1]، یعنی تمام مسلمانون کو یہ حکم
دیا گیا ہے کہ وہ اجتماعی طور پر ایک ہو جائین، ایک ہی حالت مین ریگ کے ٹیلے کی
طرح ایک ہی قسم کی حرکت کرین، اور باہم ایک دوسرے کے معین و مددگار ہون اور ایک
دوسرے کا پشت پناہ بنے، انکو یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ اپنے تمام معاملات مین باہم مشورہ
کرین اور جو تجویز انہون نے قرار دے لی ہے، اسمین شک و شبہہ نہ کرین اور خدا پر بھروسہ
رکھین، لیکن ان تمام احکام کی تعمیل کی اصلی بنیاد مشورہ ہے اور مشورہ صرف مجالس

۱؎ جیسا کہ خداوند تعالیٰ کہتا ہے (واعتصموا بحبل اللہ جمیعا و لا تفرقوا) کیونکہ اولاً تو اسمین اعتصام بحبل اللہ کا حکم دیا، اور وہ قرآن ہے، ثانیاً ولا تفرقوا کے ذریعہ سے تفریق و انتشار سے منع کیا تاکہ اعتصام کی اور تاکید ہو جائے،

مشاورت اور دارالشوریٰ کے ذریعہ سے کیا جا سکتا ہے، اِسلئے اسلام نے یہ تمام اساسی اصول قائم کئے، اور نہایت اعلیٰ پیمانہ پر قائم کئے، اور اس لحاظ سے اسلام نے جس زمانہ کو اس اصول پر چلایا وہ اسلام کی عظمت وشان کا حقیقی زمانہ تھا،

مسلمانون مین باہم میل جول اور پورے معنی مین اتحاد عام پیدا کرنے کے لئے محلہ کی مسجدون کو جنکا نام اصطلاح شریعت مین "مسجد الحی" (محلہ کی مسجد) ہے بنیاد قرار دیا،[1]

پس امن وسکون کے زمانہ مین نماز باجماعت کا التزام ایک سنت موکدہ ہے یعنی انسان کے لئے جب طبعی وسیاسی موانع موجود نہون تو اپنے دینی بھائیون کے ساتھ ایک خاص وقت مین باہم مل کر مفروضہ نماز کا ادا کرنا واجب ہے، اور اِسلئے مسلمانون کے پاس جو خبرین پہنچین، اُنکے متعلق، نماز کے بعد محلہ کی مسجد مین باہم ذکر اور مشورہ کرین،

اس سے بڑے اجتماع کے لئے جو ہفتہ وار ہو سکتا ہے، ہمیشہ محلہ کی جماعتون کا قیام اور اُن کا جامع مسجدون کی طرف جانا اور خطبہ کے بعد جسمین انکی تمام دینی و دنیوی ضرورتین بیان کیگئی ہون، نماز جمعہ پڑھنا نہایت ضروری ہے، اور اس موقع پر ایک عظیم الشان مجلس قائم ہو جاتی ہے جسمین خطیب یا انتخاب شدہ سردار نماز کے پہلے منبر پر کھڑا ہو کر ہفتہ کے تمام اخبار وواقعات جو عالم اسلامی کے لئے مفید ہین، وضاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے، اور اسوقت موجودہ جماعت کے لئے جو تلقین لازمی ہے اُسکا پورا کرنا اور خطبہ کا سننا اور اسکا سمجھنا تمام حاضرین پر واجب ہے اور اس موقع پر توضیحی

[1] اسلئے محلہ کی مسجد جمعہ کی مسجد سے افضل ہے، یعنی علماء کے نزدیک یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ پنجوقتہ نماز کا التزام محلہ کی مسجد مین اور مساجد مین جانے سے افضل اور زیادہ ثواب کا باعث ہے،

سوال کرنا بھی جائز ہے،[1]

اسی طرح سال مین دوبار عیدگاہ مین جو ایک عظیم الشان اجتماع گاہ ہے، جمعہ مسجدون کی تمام جماعتون کو لازمی طور پر جمع ہو جانا چاہیئے، اور خطبہ کے قبل نماز عید پڑھنی چاہیئے، اس مجمع مین خطیب سال بھر کے اخبار وواقعات کو بیان کرتا ہے، اور عیدگاہ کا

[1] جیسا کہ حضرت عمرؓ کی خلافت مین واقع ہوا، وہ خطبہ دے رہے تھے، اور حضرت خالد اور عبیدہ بن جراح کے متعلق گفتگو کر رہے تھے کہ ایک نوجوان نے اس معاملہ مین اُنسے سوال وجواب کیا، جو کہ مشہور ہے، اور اسکے الفاظ یہ ہین،

حضرت امیر المومنین، مین نے شامی فوج کے سپہ سالار خالد بن ولید کو معزول کیا اور اُنکی جگہ پر اُس شخص کو مقرر کیا جنکی تعریف مین رسول اللہ صلعم نے امین الامۃ کا لفظ استعمال کیا ہے، یعنی ابو عبیدہ جراح، ایک نوجوان (صرف ۱۲ سال کی عمر) اے عمر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد کی تعریف مین "دشمنون کے اوپر کھنچی ہوئی تلوار" کہا ہے، اور آپ نے اس تلوار کو جو دشمنون کے اوپر کھنچی ہوئی تھی میان مین کر دیا، اور فوج کا سپہ سالار ایک ایسے شخص کو مقرر کیا جو جنگی حالات سے بالکل ناواقف ہے، کیا یہ آپ نے کوئی قابل تعریف کام کیا؟ حضرت عمرؓ تھوڑے سے تامل کے بعد "لڑکا جو کچھ کہتا ہے سچ ہے، لیکن یہ اُسکی غیرت کا اقتضا ہے، کیونکہ وہ خالد کا رشتہ دار ہے، اِسلئے میرا تقرر صحیح ہے،

بالخصوص ذیل کی حدیث جو مسلم شریف مین مذکور ہے، اس باب مین دلیل واضح اور شاہد عادل ہے ایک بار رسول اللہ صلعم نے خطبہ دیا اور فرمایا لوگو خدا نے تم پر حج فرض کر دیا اسلئے حج کرو، اسپر ایک آدمی یعنی اقرع بن حابس نے کہا، کیا ہر سال یا رسول اللہ، اسپر آپ خاموش ہو گئے، یہانتک کہ انھون نے تین بار اس فقرے کا اعادہ کیا تو آپ نے فرمایا اگر مین ہان کر دون تو حج واجب ہو جائیگا اور تم اسکی استطاعت نہین رکھتے،

پورا رقبہ اسکی آنکھ کے سامنے ہوتا ہے، اور وہ ان واقعات کا خلاصہ تمام مسلمانون کو سناتا ہے
اور توضیح سوال کرنا یہان بھی جائز ہے،

لیکن اس توضیح کے لئے یہ لازمی ہے کہ بہترین طریقے پر ہو، اور آداب اسلامیہ کے
مخالف نہو، بالخصوص بغیر اجازت کے گفتگو، بے محابا یقیناً ناجائز ہے،

اسی طرح زمانہ قیام عرفات یعنی مسلمانون کے اجتماع عمومی کے زمانہ مین ایسے لوگون کا
وجود ضروری ہے جو تمام ممالک اسلامیہ سے ان اخبار، واقعات اور تجاویز کو لاسکین
جو اسلام اور مسلمانون کے لئے مفید ہون، اس موقع پر ان لوگون کو جمع ہونا چاہیئے، ادھر
اُدھر گردش کرنا چاہیئے، لوگون سے ملنا جلنا چاہیئے، اور تمام مسلمانون کے ساتھ خاص آداب
و فرائض کی پابندی کے ساتھ جیسا کہ کتب فقہیہ، بالخصوص ان کتابون مین جو مناسک
حج کے متعلق لکھی گئی ہین مذکور ہے برتنا چاہیئے، الغرض سیاستہً و فطرۃً دونون حیثیتون سے
یہ مسلمانون کی اجتماعی حالت کے لئے مفید اور ضروری ہے،

خوش نصیبی کا زمانہ اور خلفاء راشدین کا عہد حکومت

خلفاء راشدین کے زمانہ مین گورنرون کے پاس سالانہ فرامین بھیجے جاتے تھے
جنکے ذریعہ سے مسلمانون کی ضرورتین دریافت کیجاتی تھین، اور اس موقع پر حکام اُن تمام
تجاویز کو جو مساجد، جوامع، اور عیدگاہون مین قرار پائی ہین، دریافت کرتے تھے، اُنکو
سمجھتے تھے، اور اُن کا خلاصہ لکھکر دربار خلافت مین بھیجدیتے تھے،

اسی طرح ایک خاص شخص کے ذریعہ سے جو خلیفہ کی طرف سے مامور کرکے تمام اطراف
اور تمام صوبون مین بھیجا جاتا تھا، یہ چیزین دریافت کیجاتی تھین، بالخصوص امیر الحاج کو
جو عہد نبوت اور زمانہ خلفاء راشدین مین مکہ کو بھیجا جاتا تھا، اور آج بھی سلاطین عثمانیہ

زمانہ مین بھیجا جاتا ہے، مسلمانون کے اس اجتماع عام کی تجاویز کو جو عرفات مین ہوتا تھا
سمجھتا تھا، یعنی اس طریقہ سے خلیفہ کو اسلام اور مسلمانون کے خیالات سے اطلاع
حاصل ہوتی تھی، اور اسی حیثیت سے مسلمانون کے تمام کام چلتے تھے، یعنی اسی طریقہ سے
زمانہ کے موافق اور مسلمانون کے اور مفید قوانین مقرر ہوتے تھے، جو فنادی عرف
اور عادت کے مطابق ہوتے تھے،

اسی طرح غیر مسلم جماعت کے مطالب بھی انکی جماعت سے پوچھے جاتے تھے، لیکن
جب یہ معاملات متروک ہوگئے اور استبداد کا دور آیا، یعنی مسلمانون کے ہر فرد کی حکومت
سلب کرلیگئی، اور مشورہ، شوریٰ اور اسکا وہ نظام جو حکومت کا سنگ بنیاد تھا بیکار
ہوگیا، اور مشورہ کی نصائح اور وہ اقتصادی اور سیاسی اجتماعات جو کہ اداے عبادت سے
پہلے اسکے بیچ اور اسکے آخر مین مساجد، جوامع، عیدگاہ، طواف، اور مواقف مین قرار
پاتے تھے، معدوم ہوگئے، اور نصائح، خطبے، اور منبر نے خالص دعاؤن کی صورت
اختیار کرلی، یہانتک کہ ایک مدت کے بعد ان منبرون پر اور ان پاک عبادتگاہون
مین ایسے خطبے پڑھے جانے لگے جو خاص خاص اصحاب[1] کی گالی، گلوچ اور طعن و تشنیع پر
مشتمل ہوتے تھے، حالانکہ ان متبرک مقامات کو اسلام کا ایوان اور دار الشوریٰ بنایا گیا تھا،

---

[1] بالخصوص خلفاء امویہ کے زمانہ مین مسلمانون مین جو تفرقہ قائم ہوا وہ انتہائی افسوسناک درجہ تک
پہنچ گیا، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اُنکے دونون فرزندون پر خطبون مین اور منبرون پر گالیون کی
بوچھار ہونے لگی، کیونکہ اس زمانہ کے خطبا اُنکے خاص مزدور تھے، اور اُنکے احسانات سے فائدہ
اُٹھاتے تھے، اور یہ تمام حالات مسلمان دیکھتے سُنتے تھے، اور اُنکی بدعہدی اور ظلم کے خوف سے چپ
رہتے تھے، کیونکہ ان کا زمانہ استبداد اور شخصی راے کا زمانہ تھا، آخر یہ زمانہ گذر گیا (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

تاکہ اسمین عبادت، مشورہ، تعارف اور پند و نصائح کئے جائین، اور ان مین مسلمانون کے معاملات پر غور و فکر اور مشورہ کیا جائے، اور انکو جوامع، قوم کی اجتماع گاہ اور انکی مجالس شرعیہ قرار دیا جائے، اسکے علاوہ وہ امام جو محلہ کی مسجد مین مسلمانون کی طرف سے منتخب کیا گیا ہے، جب اسکے پیچھے نماز پڑھ لیجائے اور وہ اپنی محراب سے چلنے لگے اور اسکی طرف اپنی پشت کرے تو بحیثیت امام اور ایک منتخب شدہ رئیس کے اسکا فرض ہو کہ تسبیحات مسنونہ اور ادعیہ ماثورہ کے موجودہ جماعت کے ساتھ مسلمانون کے معاملات اور انکی دینی اور دنیوی ضرورتون کے متعلق مذاکرہ و مشاورہ کرے، خواہ ان چیزون کا تعلق خود انکی ذات سے ہو یا انکی رعایا سے ہو، یا انکے وطن سے ہو، مثلاً سرحد کی حفاظت، پلون کی تعمیر، جہاد اور اعانت، زکوۃ و صدقہ کے فوائد و منافع، اتفاق و اتحاد، فصل مقدمات، اور انکے حالات کی تحقیقات وغیرہ، کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے، یہانتک کہ آپ خاص خاص اشخاص اس غرض سے مقرر فرماتے تھے کہ امت کے ان لوگون کے حالات دریافت کرین جو ایک دن اور دو دن بھی مرض سفر یا اور کسی عذر کی وجہ سے اس اجتماع مین موجود نہ تھے،

اور یہی وجہ ہے کہ ان اجتماعات کے مقامات محکمہ، یا حکومت کے مقامات کے قائم مقام ہوتے تھے، اور یہی وجہ ہے کہ خلیفہ اور حکام اکثر ان مقامات مین موجود رہتے تھے، اور انکے معاملات کے سمجھنے کی کوشش کرتے تھے،

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اور خلافت حضرت عمر بن عبدالعزیز کو ملی، اُنھون نے حکم دیا کہ خطبہ مین یہ آیت پڑھی جائے، ان اللہ یامر بالعدل والاحسان، اور خطبون مین جو گالیان شامل ہو گئی تھین انکو چھوڑوا دیا، ابتک یہ حالت قائم ہے، اور قیامت تک قائم رہیگی،

ہر شخص کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام مسجدون مین مذاکرہ و مشاورہ کرتے کرتے سو جاتے تھے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے جبکہ وہ مسجد مین سو رہے تھے فرمایا کہ اُٹھ اے ابوتراب!

اسی طرح اوقات نماز کے علاوہ صحابہ کرام مساجد مین باہم میل جول رکھتے تھے، بالخصوص اصحاب صفہ تو ہمیشہ مسجد مین قیام کرتے تھے، اُسی مین کھاتے پیتے تھے، اُسی مین قرآن مجید اور اصول دین کی تعلیم حاصل کرتے تھے، اور ان تمام باتون کا انکار نہین کیا جاسکتا[1]

مساجد مین صف بندی کے نظام و ترتیب سے بھی یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ مجمع عبادت اور مشورہ دونون کے جامع ہین، اور وہ عبادت گاہ ہونے کے ساتھ دار الشوری بھی ہین، کیونکہ پہلی صف مین وہ لوگ کھڑے ہوتے ہین جو برگزیدہ اُمت ہین، اسکے بعد جوانون کا پھر عورتون کا درجہ ہے، اور جیسا کہ اس ترتیب مین دوسری حکمتین پائی جاتی ہین اسیطرح اسمین ایک بڑا سبب پایا جاتا ہے، اور وہ یہ کہ اصحاب الرائے امام یا رئیس سے قریب تر ہوتے ہین، بالخصوص ان لوگون کا نظر سے قریب ہونا اور یہ ایک ایسی چیز ہے جو

[1] یہ معلوم ہے کہ مساجد و جوامع ہین، اور خطبہ کے لئے امام کے منبر پر چڑھنے کے اوقات مین اگر کوئی ایسی بات کہی جائے جو اصل مقصد سے غیر متعلق اور مشورے اور تلقینات شرعیہ کے مخالف ہو یا اسکی اجازت نہ لیگئی ہو یا لغو یا ناقابل اعتنا ہو تو وہ بالاتفاق حرام ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مساجد مین دینی اور دنیوی حیثیت سے درس و تدریس الفصاح وتنبیاح مذاکرہ و مشاورہ جائز ہے،

جس شخص نے ان مساجد و جوامع کو جو قدیم سلاطین اور سلاطین عثمانیہ نے بنوائی ہین بغور دیکھا ہے اسکو صاف نظر آتا ہو گا کہ انکے اندر بہت سے حصے ہین مثلاً انکے دونون بازوؤن مین حکام کیلئے بہت سے حجرے بنائے گئے ہین اور ان مین نماز کے لئے ایک بلند چبوترہ ہے، بالخصوص استنبول مین جامع محمود پاشا اسی تقسیم اور اسی صورت کے مطابق تعمیر ہوئی ہے

نصف النہار کے سورج کی طرح روشن نظر آتی ہے، یہانتک کہ جمعہ اور عیدین کی نماز
مسافرون، بچون، اور عورتون پر فرض نہین ہے، اور اسی طرح اذان، اقامت، جماعت
عورتون کے لئے سنت نہین ہے، کیونکہ وہ مشورہ مین صائب الرائے نہین ہین، لیکن
بااین ہمہ جب وہ لوگ مسجد مین آجائین تو انکی اطلاعات سُنی جائینگی، لیکن انکی رائے دریافت
نہین کیجائیگی،

فرق مراتب اور مساوات اسلام مین

اسلام عبادت گاہون اور مشورہ گاہون مین قاعدۂ مساوات کا پابند ہے اور اس
مساوات مین صرف ایک نقطہ پر فرق نمایان ہوتا ہے، اور وہ نقطہ علم اور تقویٰ کا ہے، مثلاً
مسجد مین صفِ اول کی ترتیب مین سب سے زیادہ عالم اور سب سے زیادہ قاری سب سے
زیادہ پرہیزگار اور سب سے زیادہ سن آدمی کو جیساکہ کتب فقہیہ مین مذکور ہے، مقدم
رکھا جاتا ہے، اور یہ لوگ جیساکہ وہ اُن لوگون مین ہین جو امامت اور ریاست کے لئے
تیار ہوتے ہین، اسی طرح انکی بلند مرتبگی سے مذاکرہ و مشاورہ مین بہت زیادہ فائدہ اُٹھایا
جاسکتا ہے، [1]

[1] دین و دنیا اور خدا کی نگاہ مین جو چیز سب سے زیادہ مقبول ہے وہ تقویٰ ہے، اور تقویٰ بہترین عمل
بھی ہے، اتقا اور تقویٰ کے شرعی معنی اگرچہ کتب تفاسیر، احادیث اور اخلاق سے ظاہر ہین، لیکن ہمارے
زمانہ مین اس حیثیت سے کہ وہ ہر ممنوع سے بچنے کا نام ہے، وہ موجودہ دور کی اصطلاح مین لفظ حریت کا
مرادف ہے، صرف اتنا فرق ہے کہ تقویٰ عام ہے اور حریت خاص، کیونکہ حریت کے معنی باہمی حقوق کی
نگہداشت کے ہین، اور تقویٰ کے معنی حقوق اللہ اور حقوق العباد مین تجاوز کرنے سے بچنے کے ہین اور
اسمین خدا اور انسان دونون کے حقوق داخل ہین، اس بنا پر حریت تقویٰ کا (بقیہ برصفحہ آیندہ)

اسی طرح جو لوگ اُس منبر پر جو جامع مسجد اور عیدگاہ مین نصب کیا گیا ہے، چڑھنے کی
قدرت رکھتے ہین، اُن کا مقام بھی صفِ اول مین ہے، [1]

(بقیہ صفحہ گذشتہ) ایک جزو ہے، اور قرآن مجید مین تقوی اور اتقیاء کا ذکر بکثرت مذکور ہے بالخصوص
متعدد مواقع پر یہ مذکور ہے کہ عاقبت کی بھلائی پرہیزگارون کے لئے ہے اور عقلمندون کو بھی تقویٰ کا
حکم دیا گیا ہے،

[1] امامت اور خطابت محض روحانی چیز نہین ہین کیونکہ اسلام مین رہبانیت نہین ہے، اس بنا پر
جیساکہ کتب فقہیہ مین مذکور ہے بوقت ضرورت امامت و خطابت کا تقرر صرف مسلمانون کی جماعت کے
انتخاب سے ہوسکتا ہے، جیساکہ متقدمین علمائے اسلام کے زمانہ مین تھا، علمائے متاخرین کے نزدیک
ان کا تقرر خلیفہ کے حکم اور اجازت سے ہونا چاہیئے، تاکہ نزاع واقع نہو، اگرچہ نماز کے لئے انتخاب سے بھی
امام کا تقرر ہوسکتا ہے، اور جبکہ اس طرح امام کا انتخاب ہوسکتا ہے تو ہر جماعت مین ریاست اور بحث
و مباحثہ کا عہدہ بھی اسکے مستحقین کو دیا جاسکتا ہے، اور اسلام مین ہر مسلمان اور مومن امام ہے، یعنی
ہر مسلم مین امامت کا وصف موجود ہے، البتہ جماعت کے ساتھ نماز کے ادا کرنے اور مشورہ اور تقریر
و پند و نصائح کے موقع پر جماعت ایک ایسے امام یا خطیب کا انتخاب کرتی ہے جو موجودہ جماعت مین
سب سے زیادہ صاحب علم، سب سے بڑا قاری، سب سے زیادہ پرہیزگار اور سب سے زیادہ سن ہو اور
جو لوگ امامت اور خطابت کے لئے سب سے زیادہ موزون ہین، وہ امامت، خطابت اور ریاست کے
مقامات پر کھڑے ہوتے ہین، ورنہ یون تو ہر مسلمان امام ہے، یہانتک کہ جاہل جاہل کا امام ہوسکتا ہے
اسلام کی مذہبی خدمات ایک شخص کے ذریعہ سے یا ایک جماعت کے ذریعہ سے انجام پاسکتی ہین اور
مذہبی خدمات پر اجرت لینا علمائے متقدمین کے نزدیک ناجائز ہے، اس لحاظ سے خطابت، امامت
اور تمام عبادات کے لئے شرعاً اجرت پر کسی شخص کا تقرر نہین کیا جاسکتا، یہانتک کہ (بقیہ برصفحہ آیندہ)

چونکہ اسلام مین کامل مساوات موجود ہے، اسلئے بہت سے صاحب مرتبہ مسلمان صف نماز مین اُن مسلمانون کے مقابل مین کھڑے ہوتے ہین جو صاحب مرتبہ نہین ہین،

اور اس موقع پر امتیاز صرف علم و تقوی کے ذریعہ سے ہوسکتی ہے، کیونکہ خدا نے فرمادیا ہے کہ خدا کے نزدیک تم مین شریف تر وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے اور یہ مساوات کاملہ سب سے زیادہ جامۂ احرام مین نمایان ہوتی ہے کہ اسمین مسلمانون کے درمیان کوئی فرق نظر نہین آتا ہے، سب کے سب ایک ہی لباس مین ہوتے ہین، اور سب کی حالت ایک ہی ہوتی ہے، اور اس جگہ برادری کے لحاظ سے تمام مسلمان ایک معلوم ہوتے ہین، اس لحاظ سے لوگون مین مساوات تامہ کا ظہور، جامۂ احرام کے پہننے طواف کے کرنے اور عرفات مین قیام کرنے کے وقت ہوتا ہے، یہانتک کہ بادشاہ، امیر اور دولتمند شخص کسی طرح ایک محتاج سے ممتاز نہین ہوتا اور اسیکا نام مساوات کاملہ ہے[1]

(بسلسلہ صفحۂ گذشتہ) علماے اسلام مین معلمین کی تنخواہ کے متعلق بھی اختلاف ہے، اسی طرح یہ بھی متفق علیہ مسئلہ ہے کہ جو اُجرت مذہبی خدمت پر لیجاتی ہے وہ پاک نہین ہے، پس مسلمان اپنی نماز یا تنہا پڑھتے ہین یا جماعت کے ساتھ اور تجہیز و تکفین اور جنازہ کی نماز فرض کفایہ ہے اور ہر مسلمان کو معلوم ہے کہ طلاق و نکاح کے معاملہ مین کسی روحانی پیشوا کی ضرورت نہین ہے، کیونکہ نکاح صرف ایجاب و قبول، دو گواہون کی موجودگی اور تعیین مہر سے ہوسکتا ہے اور مجلس نکاح کا انعقاد جیسا کہ آج دستور ہے کسی اسلامی کتاب مین موجود نہین اور نہ اسکے متعلق کوئی روایت ہے

[1] اسلام کا کوئی یونیفارم نہین ہے بلکہ اسمین صرف ستر پوشی ہے، لیکن درحقیقت اسلام کا ایک یونیفارم ہے لیکن وہ لباس کا نہین ہے بلکہ اعتقاد و عمل کا ہے اور انہی دونون کو ایمان و اسلام کی شرط کہا جاتا ہے یعنی یہ اسکی علامات ہین،

روے زمین کے تمام مسلمان اُسی طرح عرفات مین جمع ہوتے ہین اور بے تکلف باہم ملاقات کرتے ہین اور ان مین باہم تعارف ہوتا ہے، اور ان مین ہر ایک جانتا ہے کہ ایک دوسرے کا بھائی ہے، اور ان مین ہر ایک دوسرے کی گفتگو، اسکے رنج و غم اور اُسکی ضروریات کو سنتا اور سمجھتا ہے، یہانتک کہ وہ لوگ باہم اعانت کا وعدہ کرتے ہین، اسی طرح وہ لوگ باہم اپنی معلومات دوسرے کو دیتے ہین اور ہر ایک دوسرے کا پتہ لکھ لیتا ہے اور اپنی تجارت اور صنعت و حرفت کو اس طرح ترقی دیتے ہین اور بھی بہت سے فوائد اٹھاتے ہین، اور ان مین سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ خلیفہ کو یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ جماعت اسلام کے ارباب حل و عقد نے دنیا کے مختلف گوشون مین کیا کیا تجویزین قرار دی ہین یہانتک کہ انہی کے مطابق قوانین بناے جاتے ہین[1]،

اور جبکہ اسلام اپنے علمی قانون مین اس طریقہ کا پابند ہے تو مسلمانون کے درمیان کوئی تفرقہ نہین ہوسکتا اور اپنے خلیفہ کے ماتحت ایک جماعت بنجاتے ہین،

اور جبکہ یہ حالت ہے تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ روے زمین پر کوئی قوم مسلمانون سے زیادہ ترقی یافتہ اور زیادہ قوی نہین ہوسکتی ہے، اس بنا پر دنیا مین حاکم عادل صرف اسلام کا خلیفہ ہے، کیونکہ چھوٹے بڑے تمام استغاثون کا مرافعہ اسی کی طرف ہوتا ہے،

اور اس بنا پر دنیا کے تمام مسلمان جس شخص کے ہاتھ پر بالفعل بیعت کرلین اُسکو

[1] اور چونکہ ہر سال حجاج کے محلہ اور شہر کے لوگ خاص پابندی کے ساتھ انکی مشائعت اور اُن کا استقبال کرتے ہین اسی طرح ہر معاملہ مین انکی گفتگو سنتے ہین اور اُسپر عمل کرتے ہین، اسلئے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حجاج اپنے اہل ملک کی طرف سے وکلا اور ممبر بناے گئے ہین، اور وکالت اور ممبری کا یہ مسئلہ استبداد کے ہاتھ رسماً و عادتاً بالکل ... گیا ہے جیسا کہ سخت استبداد کے آخری زمانہ مین یہ رسم اور یہ عادت بالکل رد کردی گئی،

حقیقی معنون مین روے زمین کا خلیفہ کہا جاسکتا ہے، اور چونکہ بیت الحرام کا حج بہت سے
ارکان و مناسک کا جامع ہے، اس لحاظ سے وہ عبادت ہے؛ اور خدا کی راہ مین دوڑ
دہوپ ہے، اور وہ فرض ہے بالخصوص اسمین سیر و سیاحت، تبدیل آب وہوا، اور
صحت کا فائدہ بھی ہے،

اور اسلامی برادری کی تنہا بیدار کرنیوالی، مسلمانون کے معاملات کی ایک کرنیوالی
اور ان مین تعارف کرانے والی سب سے بڑی مجلس مشاورت ہے اور اس حیثیت سے
وہ اسلام کا سب سے بڑا رکن ہے،

اس زمانہ مین اسلام کی تنظیم کیونکر ہوسکتی ہے

قانون ارتقا نے بنی نوع انسان کو عظیم الشان ترقی کا مظہر بنا دیا ہے، پہلے پڑہے
لکھے لوگون کا وجود نہ تہا اور اگر تہا بھی تو انگلیون پر گنا جاسکتا تہا، لیکن بخلاف اسکے آج
بے پڑہے لکھے لوگ صرف چند ہین، اور پڑہے لکھے لوگ روز بروز بڑہتے جاتے ہین کیونکہ
زمانہ بدل گیا ہے،

چہوٹے چہوٹے خیمے اور شامیانے جو پہلے گہر کا کام دیتے تھے، اب انکی جگہ چہوٹی بڑی
مرتب عمارتین، نہرین، تجارت خانے، ہوٹل، فوجی صدر، کوتوالی، سرائین اور ایوان و
محل وغیرہ تعمیر ہوگئے ہین، چلنے پہرنے والے قبائل کی جگہ شہر آباد ہوگئے ہین، اور قومون
کی جگہ سلطنتین اور حکومتین قائم ہوگئی ہین، اور اونٹون اور گہوڑون کی جگہ گاڑیان
اور تیز رو انجن تیار ہوگئے ہین، اسی طرح بس اور موٹرین بھی بنگئی ہین جو بغیر آہنی لائنون کے
بہاپ کی قوت سے ہر جگہ چلتی پہرتی نظر آتی ہین، اور معمولی کشتیون کے بجاے سٹیمر، جنگی
اور آہن پوش جہاز، ڈریڈ ناٹ، بنگئے ہین جو متحرک قلعہ کی صورت رکہتے ہین، اسی طرح

انسان جسطرح غبارون اور ہوائی جہازون کے ذریعہ سے سیر و سیاحت کرتا ہے، بعینہ
اسی طرح آبدوزون کے ذریعہ سے دریا کی تیراکی کرسکتا ہے، اور منجملہ ان تمام ترقیون کے
ایک ترقی یہ ہے کہ انسان نے ایسے آلات ایجاد کرلئے ہین جو زمین کے اندرونی حصہ کو
بذریعہ برقی طاقت کے روشن کردیتے ہین، اور مخصوص کلون کے ذریعہ سے جسکو پائپ
کہتے ہین اسکے اندر ہوا داخل کیجاتی ہے، اور اس طرح زمین کے اندر سیاحت کیجاتی ہے
اور یہ سب معدنیات کے نکالنے اور انکی جستجو و تلاش کے لئے کیا جاتا ہے، اسی طرح
ایک ایسا آلہ بنگیا ہے جسکے ذریعہ سے زمین کے اندر اترا اور نکلا جاتا ہے اور اسکا نام
اسانسور ہے، اور سمندر کے نیچے بلور کے شہر آباد کئے گئے ہین جنمین جگمگاتے ہوئے
بازار ہین، اور زمین کے نیچے لمبے اور مرتب راستے، نہرین اور پل تیار کئے گئے ہین،
یہانتک کہ انسان نے خشکی کو تری کے ساتھ ملا دیا ہے اور جبکہ پتھرون اور درختون سے
ہتیار بنائے جاتے تھے، انکی جگہ مترالیوز مشہور توپین، اور سب سے بڑی نو ایجاد توپ
جسکا نام بیابیس ہے تیار ہوگئی ہے، اسی طرح انسان جانورون کے چمڑے کے بجاے
سندس اور استبرق کے کپڑے پہنتا ہے،

خلاصہ یہ کہ انسانی سیاست، انسانی اجتماع، انسانی اقتصاد اسقدر مکمل ہوگیا ہے کہ
دنیا ایک دوسری دنیا بنگئی ہے، اسی کے مثل حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے دین
کی ابتدا ہوئی اور وہ رفتہ رفتہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے مکمل ہوا جیسا کہ خود خداوند
تعالی فرماتا ہے، الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا،

اور اس صورت مین اسلام مین جو تشکیلات پہلے سے وضع کیگئی ہین ان کو
اس زمانے کے مطابق بنانا چاہیئے، اور اس معاملہ مین غیر معمولی اہتمام

کرنا چاہیئے ۔

(باقی)

۵ مثلاً اُس زمانہ مین اُن مسلمانون کے لئے جو محلہ کی مسجد کے پاس رہتے تھے کوئی رجسٹر نہین بنایا جاتا
اور اسوقت اسکی کوئی ضرورت نہین تھی لیکن اس زمانہ مین اسکی ضرورت ہے،

اسی طرح پہلے محلہ کی مساجد اور مجالس شوری مین جو تجویزین قرار دیجاتی تھین وہ لکھی نہین جاتی تھین
بلکہ زبانی منتقل ہوتی رہتی تھین، اور زبانی تقریرون کے ذریعہ سے ان کا ایجاب بھی ہوتا تھا، لیکن
اب اُن کو لکھنا چاہیئے، کیونکہ حالات بکثرت پیدا ہوگئے ہین اور ذہن ان کا احاطہ نہین کرسکتا

اسی طرح چونکہ خطبے عربی مین پڑہے جاتے تھے اور بعض مقامات مین ان مقامات کی زبان مین
اُنکے ترجمہ کی ضرورت ہوتی تھی، مشائخ کراسی کا عہدہ ایجاد کیا گیا، جو مسلمانون کے لئے اُنکا ترجمہ
کرتے تھے اور اُنکو سمجھاتے تھے (چونکہ خطبون مین مسلمانون کے حالات سے بحث نہین ہوتی تھی اسلئے
اُنھون نے صرف دعا کی صورت اختیار کرلی، اور اسلئے مشائخ کراسی نے جب کوئی بات ترجمے کے
قابل نہین پائی تو اُنھون نے صرف وعظ و نصیحت کرنا شروع کیا) اور اس زمانہ مین علم ہر جگہ بہت
ترقی کرگیا ہے، اور ہر انسان مشتاقانہ آرزو رکھتا ہے، اور دنیا کے حالات کی فوری اطلاع چاہتا ہے
خصوصاً عالم اسلامی اور اپنے دوسرے شہرون کے بھائیون کے حالات کی اور یہ خواہش رکھتا ہے کہ انکی
خبرین مستند ترین آدمی کے منھ سے سنے، اس بنا پر ہر مقام پر خطبون کو ایک مرتبہ عربی زبان مین پڑہنا چاہیئے
اور اسکے بعد دوبارہ اس مقام کی زبان مین اسکا ترجمہ کرنا چاہیئے، مثلاً اگر اس مقام کی زبان ترکی یا کردی یا
لازی یا فارسی یا چینی یا رومی یا فرنچ یا انگریزی یا روسی یا جاوی یا آفریدی یا اردو ہو تو عربی زبان مین خطبہ پڑھ
لینے کے بعد اس زبان مین اسکا ترجمہ پڑھکر سنانا چاہیئے اور اسطور پر مسلمانون کے حالات انکے موجودہ بھائیون کو سنائے جاسکینگے
یہ ضرورت اسلئے پیش آئی ہے کہ خطبہ نام ہی وعظ، تذکیر، اخبار، ایضاح اور تعلیم و تلقین کا، اور جب اس مقام کی زبان مین
ہوگا وہ فوائد حاصل نہونگے، اور صحیح یہ ہے کہ خاص مقام کی زبان مین خطبہ پڑھنا چاہیئے ۔

تلخیص وتبصرہ

مذہب و سلطنت

سینٹ پال کے ڈین، ریورنڈ انگ، ڈی، ڈی کا شمار اسوقت انگلستان کے
علما، اجل مین ہے، مختلف مباحث پر انکی متعدد بلند پایہ تصانیف شایع ہوچکی ہین،
حال مین اُنھون نے نامور علمی رسالہ ہبرٹ جرنل مین ایک مبسوط و محققانہ مضمون مذہب
و حکومت کے تعلقات پر شایع کیا ہے جسکا ضروری ملخص ان صفحات مین درج کیا جاتا ہے

تاریخ کے مطالعہ سے اگر کوئی سبق حاصل ہوتا ہے، تو یہ ہے کہ صحیح نظام حکومت کا
مسئلہ آج تک نہین حل ہوسکا ہے، دنیا مین اسوقت تک متعدد نظامات حکومت قائم
ہوچکے ہین، لیکن تجربہ کے بعد ہر نظام ناکام ہی ثابت ہوا ہے، حکومت کو مذہب کے
ماتحت رکھنے کے معنی یہ ہوتے ہین کہ مقتدایان شریعت کی جماعت مالک و مختار ہوجاتی ہے
جو عوام کی ضعیف الاعتقادی سے فائدہ اُٹھاتی ہے، اور ناجائز طریقون سے تحصیل زر
کرنے لگتی ہے، یونان کی سلطنت بلدیہ مین گو علوم و فنون کو انتہائی ترقی ہوئی لیکن خود اسکی
عمر کتنے دن کی ہوئی؟ اسکے بعد اسی بنیاد پر حکماء نے اپنے جو اور نظامات قائم کئے
انکی حیثیت بھی ہمیشہ نظری ہی رہی، پھر روما کی شہنشاہی وجود مین آئی، لیکن اس شہنشاہی کا
رقبہ اطراف بحر روم تک محدود رہا، موجودہ زمانہ دور قومیت کا سمجھا جاتا ہے، لیکن اسی
قومیت کے تخیل نے نصف یورپ کو ماتمکدہ بنارکھا ہے، اور اسی قومیت کے ثمرات نے
تمدن کی بنیادین متزلزل کر رکھی ہین، ان مشاہدات کے بعد دماغون سے قومیت کی

گرفت ڈھیلی ہونے لگی ہے، اور قومیت کی جگہ اب "بین الاقوامیت" لے رہی ہے، لیکن اس کی
عمر بھی کچھ طویل نہین معلوم ہوتی، اسلئے کہ اُسکی بنیاد نہ تو محبت انسانی پر ہے اور نہ خواہش امن
و صلح پر، دو بین الاقوامی نظام جو اسوقت موجود ہین، اُن مین سے ایک کا نام کتھولک
ہے، جسکی حیثیت ارباب عسکریت و حربیت کے ہاتھ مین ایک آلہ سے زائد کی نہین اور دوسرے
کا نام لیبر (طبقۂ عمال) ہے، جسکا کھلا ہوا مقصود یہ ہے کہ ایک طبقۂ ملک دوسرے سے ہر گز
آویزش رہے، سائنس، فلسفہ، فنانس، وغیرہ بھی نظامات بین الاقوامی کہے جاسکتے ہین
لیکن اُنکی کوئی سیاسی حیثیت نہین،

جیسا کہ ڈاکٹر لبل اپنے ایک تازہ لکچر مین کہتے ہین، عامۃ الناس کے معتقدات دل
کی بنیادین متزلزل ہوگئی ہین، اور کوئی متنفس یہ نہین بیان کرسکتا کہ وہ کس شخص یا کس
شے کا محکوم ہے، مطلق العنان تاجدار کے وجود مٹ جانے کے بعد کسی شخصیت کے ساتھ
ذاتی وفاداری کا خیال کیونکر باقی رہ سکتا تھا؟، اب بجائے اسکے کہ کوئی شے اتحاد و اشتراک
پیدا کرنیوالی ہو، حکومت فریقانہ طرز کی ہوکر رہ گئی ہے، اور اسکا نتیجہ یہ ہے کہ بغاوتون اور سازشون
کی گرم بازاری جسطرح قدیم فرمانروائیون مین رہتی تھی، اس سے آج ایک ذرہ کم نہین، کہا
جاتا ہے کہ آج حکومت کی عنان جمہور کے ہاتھون مین ہے، بااین ہمہ کتنے دلون مین حکومت
کی محبت یا تعظیم ہے؟ لطف یہ کہ حکومت کی جانب سے اس عام بے اعتمادی کے باوجود اسکے
فرائض کا دائرہ بہت بڑھا دیا گیا ہے، اور اس سے توقعات ہر قسم کے رکھے جانے لگے ہین
.....ایک عام انتشار خیالات کی فضا مین، حکومت سازشون اور خود غرضیون کی آماجگاہ
بنکر رہ گئی ہے، جمہوریت کا صحیح تخیل کسی کے ذہن مین نہین، اور پارلیمنٹ اور ووٹ اور
مباحثہ وغیرہ کے قدیم آئینی طریقے سب کی نظرون مین ذلیل ہوتے جارہے ہین، بے اعتمادی

عجلت پسندی اور عمل کی جانب سے بے رغبتی، عصر حاضرہ کے خصوصیات مین داخل
ہوگئے ہین،

یہ بیان حرف بحرف درست ہے، مین سب سے زیادہ زور موجودہ نظام جمہوریت سے
بے اعتمادی پر دونگا، نظام جمہوری پر عملاً کسی کو بھی اعتماد باقی نہین رہا ہے، اور طریق حکمرانی کے
تمام تجربات کی ناکامی ثابت ہوچکی ہے،

اس موقع پر کہا جاسکتا ہے کہ آجکل سائنس کا دور دورہ ہے، فلسفۂ اخلاق، فلسفۂ
سیاست، ہر شے سائنس کے ماتحت ہے، صحیح نظام حکومت کے مسئلہ کا حل بھی سائنس ہی
کی مدد سے کرنا چاہیئے، پروفیسر رِٹشی کہتے ہین کہ "مسئلہ ارتقا، ایک نظری حیثیت نہین رکھتا،
بلکہ ہمین اپنی عملی زندگی کا ایک ایک قدم اسکی رہنمائی مین اُٹھانا چاہیئے" پس بہتر ہے اگر
ایک نظر سائنس کے دعاوی پر بھی کرلیجائے،

میرے علم مین علمائے سائنس مین کوئی ایسا نہین ہوا ہے، جسے حکمائے سیاسیات
(پولیٹکل فلاسفرز) کی صف اول مین جگہ دیجاسکے، ڈارون نے کبھی اپنے موضوع سے
باہر قدم ہی نہین رکھا، اسپنسر نے بیشک فلسفہ سیاست پر لکھا، لیکن اسکی کیفیت یہ ہے کہ
وہ عسکریت (ملیٹرزم) اور کاروباریت (انڈسٹریلزم) کو باہم متناقض قرار دیتا ہے، اور
کہتا ہے کہ موجودہ تمدن مین جون جون کاروباریت کو ترقی ہوتی جائیگی، عسکریت ازخود فنا
ہوتی جائیگی، تا آنکہ کاروباری پھیلاو کے ساتھ افراد کو پوری آزادی حاصل ہوجائیگی، جنگ
وخونریزی کا نام ونشان مٹ جائیگا، اور امن وامان کی حکومت قائم ہوجائیگی، اس خیال
کی جنگ جرمنی نے جیسی کچھ پردہ دری کی ہے، سب پر روشن ہے، اسٹراس علانیہ جنگ کی
حمایت کرتا ہے، اور دنیا سے جنگ کے فنا ہونے کو ناممکن بتاتا ہے، مسٹر کلاڈ کے نزدیک

بقاے اصلح، کے یہ معنی ہی نہین کہ جو نوع کارزار حیات" مین غالب رہتی ہے وہ اخلاقی حیثیت سے اصلح ہوتی ہے، بلکہ اسکے معنی صرف یہ ہین کہ مادّی قوتٗ کے لحاظ سے وہ سب سے افضل ہوتی ہے، ڈارون کے نظریات کا جرمنی مین اسی لئے پرجوش استقبال ہوا کہ اسکی عسکریت و جنگجوئی کو ان سے ایک دستاویز استناد ہاتھ آگئی، انگریز علماے سائنس نے جو اس نتیجہ کی کسی طرح تائید نہین کرسکتے، ایک عجیب قسم کے فلسفہ ثنویت کی آڑ مین پناہ لی، ہکسلے کہتا ہے کہ رفتار کائنات، کعبۂ اخلاق کے بالکل متضاد سمت مین ہے، اور انسان کا فرض یہ ہے کہ وہ اپنی جد و جہد سے اس اخلاق شکنی کو روکے، گویا دنیا کی حکمرانی اہرمن کے ہاتھ مین ہے، اور یزدانیت کے فرائض انسان سے پورے کرائے جاتے ہین، لیکن آخر انسان کیون بلاوجہ رفتار کائنات کے خلاف جد و جہد کرے؟ اسکا ہکسلے کے ہان کوئی جواب نہین، والس نے اسکی تاویل یہ کی کہ عالم روحانیات سے برابر کمک پہنچتی ہے، لیکن ظاہر ہے کہ اس جواب کو قبول کرنا سائنس کے حدود سے نکل کر مذہب کی حمایت مین آجانا ہے،

علماء سائنس سے اس گتھی کے سلجھانے مین ایسی ایسی لغزشین ہوئین کہ بالاخر لوگون نے اسکی اعانت سے بالکل بے نیازی حاصل کرلی ہے اور اسکی جانب سے دلون مین ایک عام بدعقیدگی پیدا ہوگئی ہے، یہانتک کہ مسٹر ارنسٹ بارکر نے جو خود ایک فلسفی، اور فلاطون و ارسطو کے فلسفہ کے دقیق النظر عالم ہین، حال مین ایک موقع پر یہ لکھدیا کہ "یہ امر بہت کچھ مشتبہ ہے کہ آیا مسائل اخلاقیات و سیاسیات کو قوانین مادی کی اعانت سے کچھ بھی فائدہ پہنچ سکتا ہے"، الیوٹ نے ایک مستقل کتاب "سائنس کے خلاف فلسفیانہ بغاوت" پر تصنیف کرڈالی ہے، جسمین متعدد طبقات فلاسفہ کی جانب سے سائنس پر نہایت شدید اعتراضات کئے ہین،

سائنس کے خلاف یہ بغاوت خود علماے سائنس کی پیدا کی ہوئی ہے، جو فلسفہ و الٰہیات کے مبادی سے بھی ناواقف ہونے کے باوجود اس زعم مین مبتلا تھے کہ اسرار کائنات کا حل قوانین مادہ کی مدد سے کرلین گے، یہ لے رفتہ رفتہ یہانتک بڑھ گئی تھی کہ اگر معجزات مسیح کا تاریخی ثبوت نہ مل سکا تو انکے نزدیک نفس مسیحیت ہی کا بطلان ہوگیا، با این ہمہ میرے خیال مین سائنس سے اس درجہ بدگمانی جائز نہین، سائنس کی جو روزافزون کامیابیان ہین ان سے اغماض نہین برتا جاسکتا، اور نہ یہ ممکن ہے کہ اخلاقیات و سیاسیات کے دائرہ کو اس سے قطعاً علحدہ رکھا جائے،

سائنٹفک نظام اخلاق کو "مادیت" سے تعبیر کرنا سخت غلطی ہے، جسکے مفہوم مین ایک دشنام کا پہلو شامل ہوگیا ہے، قوانین فطرت بھی خدا ہی کے بنائے قوانین ہین اور اگر ہم خدا کو مانتے ہین تو اسکے بنائے ہوئے قوانین فطرت سے وحشت کرنیکی کوئی وجہ نہین البتہ یہ سوال بیشک کرنا چاہیئے کہ آیا ارتقا، صرف انواع ہی کا ہوتا ہے، یا تصورات و افکار کا بھی، اور ان قوانین کے ماتحت جو مادی و جسمانی طرز حیات سے الگ ہین،

سائنس سے ہمین یہ شکوہ ہی نہ ہوسکتا ہے کہ وہ مادیت کی داعی ہے، یہ الزام اسپر قطعاً غلط ہے، البتہ یہ شکوہ ہمین اس سے ضرور ہے کہ اسکی نظر نہایت تنگ و محدود ہے وہ صرف ایک مخصوص قسم کی توجیہ و تشریح پیش کرسکتی ہے، اور جن حقائق کی تشریح ان مخصوص قوانین سے نہین ہوسکتی وہ سرے سے انکے وجود ہی کی تکذیب کرنے لگتی ہے، یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ہم مین ایثار و استیثار دونون کے جذبات موجود ہین جنمین باہم کشاکش جاری رہتی ہے، جذبات ایثار کے غالب آنے کا نام خیر و نیکی ہے، اب اگر عالم سائنس اپنے اصول کے لحاظ سے بتائے کہ آخر انسان اپنی خودی کو پامال کرکے ایثار سے کام لے؟ یہ نورانی قوت اسمین کس

سائنٹفک قانون کی ماتحتی مین پیدا ہوتی ہے ؟ اسی سوال کے جواب نہ ملنے پر کہا جاتا ہے کہ
سائنس، اخلاق و معاشرت کے مسائل کی تشریح کے لئے کافی نہین،

میری تشخیص مین مغربی تمدن کے زوال و انحطاط کا اصلی سبب دنیویت ہی یعنی آن جہان
سے قطع نظر کرکے "این جہان" پر مرکزیت توجہ، مغربی تمدن کی ساری وسیع مملکت کو اس
سرے سے اس سرے تک دیکھہ جاؤ، ہر طرف بے چینی، بے قناعتی و بدامنی ہی کے مناظر
نظر آئینگے، سرمایہ داری کے نظام پر آج چارون طرف سے کیون یورش ہے، اسلئے نہین کہ
غیر سرمایہ دارون کو خواہ مخواہ سرمایہ دارون سے بغض و عناد پیدا ہوگیا ہے، بلکہ اسلئے کہ خو[د]
سرمایہ دار اپنے وجود کا کوئی جواز نہین رکھتے، سرمایہ داری کا اصلی منشاء یہ ہونا چاہیئے تھا کہ
اس سے مفید کامون کو مدد پہنچے، نہ یہ کہ صاحب سرمایہ شب و روز عیش و عشرت مین بسر کر[تا]
رہے، ایسی حالت مین کس دلیل سے سرمایہ دار اپنے وجود کی ضرورت ثابت کر سکتے ہین
یہی حال طبقہ عمال کا ہے، آج کوئی اجیر اپنا فرض سمجھکر اپنے کام مین مشغول نہین ہوتا، بلکہ ہر ا[یک]
اپنے تئین ایک مظلوم غلام سمجھتا ہے، ایسی حالت مین خوشدلی و انبساط طبع کیونکر قائم رہ سکتا
نتیجہ یہ ہے کہ ہر سمت بے دلی و بے انبساطی کا دور دورہ ہے، اور کوئی طبقہ اپنی حالت پر
مطمئن و قانع نہین، اس صورت حال کے ساتھ ہی اگر نظام تمدن قائم ہے تو اسکی وجہ صرف
یہ ہے کہ کوئی دوسرا راستہ بجز موت و ہلاکت کے نظر نہین آتا، اگر ہم اس نظام کو فوراً فس[خ]
کردینا چاہین تو اسکے معنی یہ ہین کہ ہم اپنی زندگیون کا خاتمہ کر رہے ہین، موجودہ نظام تمد[ن]
کی مثال اسوقت بالکل اس عظیم الشان درخت کی ہے، جسکی جڑین خشک ہونا شروع ہوگئ[ی]
ہون، اور جسکا زمین پر آرہنا آجکل کی بات ہو،

بعض حکمار نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ مسیح کی تعلیم چونکہ رہبانیت و ترک دنیا کی [ہے]

اسلئے سلطنت روحانی کے باشندون کو دنیوی حکومتون سے کوئی تعلق نہین رہ سکتا، لیکن
یہ خیال سرتاسر بے بنیاد ہے، مسیحیت مین ممانعت صرف دنیا سے دل لگانے کی ہے، باقی
جب سلطنت روحانی کا حقیقی سلطان (خدا) خود، خلق و امر، نظم و نسق کائنات مین ہر وقت
مشغول رہتا ہے، تو اس سلطنت کے وارثون کے لئے یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ اپنے سلطان کی
تقلید نہ کرین؟ البتہ عام دنیا دارون اور ان مین فرق یہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ دنیا کو مقصود بالذات
نہین سمجھتے، اور جو کچھ بھی عمل کرتے ہین، اس سے مقصود محض امر الٰہی کی تعمیل یا رضاجوئی حق
ہوتا ہے، اس عالم جان مین اضافیات کا گذر نہین، یہان اطلاق کے سکہ کا چلن رہتا ہے،
اضافیات کا دائرہ عالم حس تک محدود ہے،

ہماری سب سے بڑی غلطی اب تک یہی ہوتی چلی آئی ہے کہ ہم عالم حس مین اطلاق کا
حکم لگاتے رہے ہین، جزئی پر کلی کا اطلاق کرتے رہے ہین، اور ظواہر پر حقائق کا دھوکا کھاتے
رہے ہین، حقائق اصلیہ سے یہ تین چیزین مراد لیجاتی ہین، نیکی، صداقت، و حسن اور مین اس
تقسیم مین ترمیم کی کوئی وجہ نہین پاتا، حقائق اصلیہ کی شناخت یہ ہے کہ ان مین خصوصیات
ذیل موجود ہوتے ہین،

(۱) اول یہ کہ انکی حیثیت آلی نہین ہوتی بلکہ وہ خود مقصود بالذات ہوتے ہین،

(۲) دوسرے یہ کہ ان مین وسعت و تعمیم ہوتی ہے، ذاتی خود غرضیون سے نکال کر وہ ہمین
ایک وسیع تر فضا مین لاتے ہین،

(۳) ان مین تسکین و تسلی خاطر کا ایسا سامان موجود ہوتا ہے کہ بعد کو بھی ہم اسپر مسرت
[کر]تے رہتے ہین کہ ہمین انکے عمل کی توفیق ہوئی،

دوسرون کی خالص اعانت و ہمدردی کرکے ہمین مزد و مزید کی طلب نہین ہوتی بلکہ

یہ شے بجاے خود مقصود بالذات ہوتی ہے، علمی تحقیقات اور ادب وفلسفہ کی خدمتگذاری
سب خصوصیات بالا کی بنا پر کار ہاے ثواب مین داخل ہو جاتی ہین،

انسان عالم صغیر کی حیثیت سے عالم کبیر کا ایک چھوٹے پیمانہ پر مثنّی ہے، اسلئے اسکا فرض ہے کہ جو کچھ عالم کبیر مین ہوتا رہے، اسکا اعادہ اپنی حسّی زندگی مین بھی کرے، اور چونکہ عالمِ جان مین برابر یہ قاعدہ جاری ہے کہ بڑی ہستیان بغایت خلوص چھوٹی ہستیون کی مدد کرتی رہتی ہین، اسلئے عالمِ حس مین بھی اسکی تقلید انسان پر واجب ہے،

اجتماعات انسانی مین ساری خرابیون کی جڑ باہمی مخالفت ونفسانیت ہی نکلتی ہے پس اگر دنیا مین امن کامل کی عملداری قائم کرنا منظور ہے، تو اصلاً قابلِ غور صرف یہ مسئلہ ہے کہ اتحاد واشتراک، خلوص ویکجہتی کے عناصر کو کیونکر تقویت دیجاے؟ مسیحیت اسکا جواب یہ دیتی ہے کہ تمام افراد انسانی ایک ہی خاندان کے ارکان ہین، اور سب فرزندان الٰہی ہین پس سب مین رشتۂ مواخات مجازی نہین بلکہ بالکل طبعی وقدرتی ہے، اس روحانی رشتہ کے سوا کسی اور شے کو بناء اتحاد قرار دینا ریگ کی بنیاد پر تعمیر کرنا ہے، دنیوی اغراض جو کچھ بھی ہون انکی مدت زندگی چندروزہ ہی ہوتی ہے، جہان ان اغراض کی ضرورت باقی نرہی، معاً اتحاد وائتلاف بھی منتشر ہو جاتا ہے، اور اسکا تجربہ ہمین اپنے گرد وپیش روزمرہ ہوتا رہتا ہے جن انجمنون، مجلسون، اور جتھون کے مقاصد جتنے زیادہ پست وادنیٰ ہوتے ہین، اُسیقدر انکا وجود ناپائدار ثابت ہوتا ہے، بخلاف اسکے جو اجتماعات روحانی مقاصد لیکر قائم ہوتے ہین انکے ارکان مین ہمیشہ خلوص برقرار رہتا ہے، اور ایک دوسرے کی خدمتگذاری برابر اپنے اوپر فرض سمجھتے رہتے ہین، "محسن مطلق" کا عکس ان خدام حق پر پڑتا رہتا ہے، اور انکو بھی اصلی لطف ایک دوسرے کے ساتھ احسان کرنے اور باہمی خدمتگذاری مین آنے لگتا ہے،

آخر مین ڈاکٹر موصوف لکھتے ہین، کہ

"مسیحیت کی اصلی تعلیم یہ ہے، جسکی تصریح خود مسیح اور کلام مسیح کے سمجھنے والون نے کی ہے، ہمین زمین پر اپنی حیثیت مسافر اور فرستادہ کی سمجھتے رہنا چاہیئے، ہماری ارواح غیر فانی ہین، مگر ہمارے زمین پر بھیجے جانیکا مقصد یہ ہے کہ ہم زمین کو بہشت کا پرتو پڑ رہا ہے، جسقدر اسکے موافق بنا سکتے ہون بنائین، اس مقصد کے حصول کا طریقہ صرف یہ ہے کہ اپنی حیات روحانی کو انتہائی ترقی دینے کی کوشش وفکر مین رہین، ..... مسائل اجتماعی کا حل اسوقت تک ہونا ناممکن ہے، جب تک ہم ایک دوسرے کے مقابلہ مین اپنے "حقوق" و "مطالبات" کو پیش کرتے رہین گے، یا اپنے درد کا درمان مجالس وضع قوانین کو سمجھتے رہین گے، میرے نزدیک اسکا علاج صرف یہ ہے کہ ہم مسیح کے فلسفۂ اخلاق وفلسفۂ حیات کو اپنا جزو ایمان بنالین"

یہ مشورہ مسیحی مخاطبین کو دیا گیا ہے، ورنہ ہر صحیح مذہب کے رہنماؤن کا فلسفۂ اخلاق وفلسفۂ حیات انکے پیروؤن کا جزو ایمان بنجاتا ہے،

(ہبرٹ جرنل)

اخبار علمیہ

ڈاکٹر ٹامس، جو انگلستان کے ایک ممتاز مستشرق ہین، اور رایل ایشیاٹک سوسائٹی کے سکریٹری اور انڈیا آفس لائبریری کے مہتمم ہین، ماہ نومبر سے ہندوستان مین دورہ کر رہے ہین، ہندوستان کے علماے فن سے ملنا، اُنسے تبادلۂ خیالات کرنا، اور ملک کے کتبخانون کا جائزہ لینا، یہ انکے مقاصد سفر ہین، پونہ کے مشہور بھنڈارکر اورینٹیل انسٹیٹیوٹ مین انھون نے اپنے وقت کا معتدبہ حصہ صرف کیا، اور مہابھارت کے آیندہ ایڈیشن کے متعلق ڈاکٹر بھنڈارکر سے مشورہ کرتے رہے، مہابھارت کا ایک صحیح و مکمل ایڈیشن بھنڈارکر انسٹیٹیوٹ مین، اور دوسرا یورپ مین عنقریب شایع ہونیوالا ہے،

جاپان کے بہت گروہ مین یہ عقیدہ راسخ ہے کہ جن لوگون کی شادی اس زندگی مین نہین ہو سکتی، انکا نکاح اگر بعد موت اسی دنیا مین کر دیا جاے تو عالم عقبیٰ مین اُنہین وصل حاصل ہو جائیگا، چنانچہ اس عقیدہ کی ماتحتی مین حال مین جاپان سے یہ خبر آئی ہے کہ ایک نوجوان مرد اور ایک نوجوان عورت ایک دوسرے پر عاشق تھے، مگر بعض خانگی مجبوریون سے مناکحت نہ کر سکے، مایوس ہو کر دونون ایک روز جاکر سمندر مین کود پڑے، اور چشم زدن مین غرق ہو گئے، اعزہ نے بڑی تلاش کے بعد دونون کی نعشین برآمد کین اور اُنہین جلا کر دونون کی خاکستر کو لڑکی والون کے مکان پر لاے، لڑکی کے باپ نے اسوقت انکا نکاح پڑھ دیا اور اب ان لوگون کا اعتقاد یہ ہے کہ جنت مین وہ دونون زن و شوہر کی حیثیت سے رہتے ہونگے،

شکر کی کمیابی و قحط کو دیکھکر بعض علماے کیمیائیات نے اُسے لکڑی کے برادہ سے تیار کرنے کا طریقہ دریافت کیا ہے، لکڑی کے برادہ مین ایک تیزاب ڈالدیا جاتا ہے جس سے اسمین ایسے کیمیاوی تغیرات ہو جاتے ہین کہ شکر تیار ہو جاتی ہے، آج سے چند سال پیشتر لکڑی کا برادہ ایک بیکار شے سمجھکر خس و خاشاک کی طرح پھینکدیا جاتا تھا، لیکن کچھ روز ہوے اس سے موٹر اسپرٹ کو تیار کرنے کا کام لیا جانے لگا اور اب اسکی شکر بنائی جانے لگی،

مسیو پینلاو، جو ایک زمانہ مین فرانس مین وزیر اعظم تھے، اور گہرا علمی مذاق رکھتے ہین، کچھ روز ہوے فرنچ گورنمنٹ کی جانب سے چینی یونیورسٹیون کے حالات کی تحقیق کے لئے چین گئے تھے، چند ماہ قیام کے بعد وہ فرانس واپس آگئے ہین، اُنکے بیان سے معلوم ہوا کہ چینی گورنمنٹ نے پیرس مین ایک دار العلوم کے قیام کے لئے چالیس ہزار روپیہ کا سالانہ عطیہ منظور کیا ہے، نیز یہ بھی قرار پایا ہے کہ یونیورسٹی آف پیرس کی ایک الحاقی شاخ کسی چینی یونیورسٹی مین کھلیگی، اور اسکے لئے چین و فرانس دونون کی حکومتین دو دو لاکھ روپیہ سالانہ کے عطیات دینگی، حکومت چین نے اسکا بھی وعدہ کیا ہے کہ اُن چار کتب قدیمہ کے بھی جنکے اندر چین کے علوم و فنون، حکمت و صنعت کے خزائن محفوظ ہین وہ تین تین نسخے حکومت فرانس کے نذر کریگی، ان چارون مجلدات کی مجموعی ضخامت ۵۰ لاکھ صفحات کی ہے،

مشہور ماہر سائنس سر رے لنکسٹر اپنے ایک تازہ مضمون مین لکھتے ہین کہ کوئلہ کے دھوئین کی سمیت سلفرک ایسڈ مین ہوتی ہے، جو اس گندھک سے جو کوئلہ مین موجود رہتی ہے ہر وقت خارج ہوتا رہتا ہے، تخمینہ کرنے سے معلوم ہوا کہ صرف شہر لندن مین سالانہ ایک

کرور ساٹھہ لاکھہ ٹن (ایک ٹن ۲۷ من کا ہوتا ہے) کوئلہ صرف ہوتا ہے، جس سے چار لاکھ ۸۰ ہزار ٹن سیاہ کاربونک پوڈر اور تقریبًا اسیقدر زہریلا سلفرک ایسڈ فضاے لندن کو مسموم کرتا رہتا ہے،

جاپان کا ایک طبی مضمون نگار لکھتا ہے کہ ماہرین فن طب کے تازہ تجربات سے معلوم ہوا ہے کہ مینڈہک کے بعض اقسام غذا کا نہایت عمدگی سے کام دیسکتے ہین، ٹوکیو کے ڈاکٹر واٹانابے ۱۹۱۸ء ہین امریکہ سے اس قسم کے کچھ مینڈہک جاپان لاے تھے، اور یہان اُنکی خاص توجہ سے پرورش و پرداخت کیگئی، یہ مینڈہک طول مین سات انچ ہوتے ہین اور انکی ٹانگین ۱۷، ۱۸ انچ لانبی ہوتی ہین، یہ مینڈہک پانی مین رہتے ہین، اور انکی غذا کیڑے مکوڑے اور جھینگا مچھلی ہوتی ہے، اُن کا گوشت مرغ اور مچھلی سے زیادہ لذیذ اور صاف ہوتا ہے، اور ہر مینڈہک کے جسم سے ۲۵ آؤنس گوشت نکلتا ہے،

کچھ عرصہ پیشتر تک ایٹم (سالمہ) کا وجود ناقابل تجزیہ سمجھا جاتا تھا، لیکن امریکہ کے ایک ماہر کیمیائیات نے اُسکے متعدد اجزاء کر دکھائے، پروفیسر آرتھر اسمتھیلز (لیڈس یونیورسٹی) جنھون نے یارک شائر نیچرل سائنس ایسوسی ایشن کی صدارت کی، حال مین بیان کیا ہے کہ اس جدید انکشاف نے بیشمار انکشافات و اختراعات کا دروازہ کھول دیا ہے، اور مستقبل قریب مین ایسے عجیب و غریب انکشافات ہونگے، جنکے سامنے موجودہ انکشافات بالکل بے حقیقت ہوجائینگے،

سر ڈینیس راس، پرنسپل دارالعلوم مشرقی لندن نے ایک اخبار کے نمایندہ سے بیان کیا کہ دارالعلوم کو قائم ہوے اگرچہ ابھی بہت قلیل زمانہ ہوا ہے تاہم اسی مختصر زندگی مین اُس نے کافی مقبولیت حاصل کرلی ہے، چنانچہ سال گذشتہ طلبہ کی تعداد ۴۰۰ تک پہنچگئی اور عمارت مدرسہ ناکافی ثابت ہوئی، اسوقت قلت گنجائش کے باعث صرف ۱۰ درجے ہین، حالانکہ جتنی زبانون کی تعلیم دیجاتی ہے انکی تعداد ۳۰ سے متجاوز ہے، اور اسکول کی موجودہ ضروریات کے لحاظ سے کم ازکم ۲۰ جدید کمرون کی ضرورت ہے، عربی، سنسکرت، چینی و فارسی کے لئے پروفیسرون کے، اور چینی، بانٹو، تامل و ملایا زبانون کے لئے ریڈرون (مدرسین) کے تقرر کی حال ہی مین منظوری حاصل ہوئی ہے، عربی، ہندوستانی (اردو) جاپانی زبانون کی تحصیل کے لئے طلبہ کی بڑی تعداد داخل ہورہی ہے، اور عربی و سنسکرت زبانون کی تکمیل، نیز مشرقی تاریخ مین تبحر پیدا کرنے کی غرض سے بھی طلبہ کی ایک معقول جماعت شامل ہورہی ہے، خصوصًا ہندوستانی یونیورسٹیون کے گراجوٹ طلبہ کی، دارالعلوم نے اب مشرقی تاریخ، خصوصًا تاریخ متعلق بہ ہندوستان، و مشرق ادنی و وسطی کو زیادہ اہمیت دینا شروع کردی ہے، عمارت کے لئے دارالعلوم کو سردست ۱۵ لاکھہ روپیہ کی ضرورت ہے، اور اُسکے لئے اپیل شایع ہورہی ہے،

جاپان مین سیرت نسوان کا اندازہ کرنے کے لئے عورتون کے نام اس مضمون کے عام اشتہارات شایع کئے گئے ہین کہ اُنھین دنیا مین سب سے زیادہ مرغوب و محبوب شے کیا ہے؟ اس سوال کے ہزارہا جوابات موصول ہوے، جنھین ترتیب دینے سے حسب ذیل نتائج ظاہر ہوے،

۹۸۰	فی ہزار	نے	نئے اور نفیس لباس کو اپنی محبوب ترین شے بتایا،
۷۲۰	"	نے	تھیٹرون اور تماشا گاہون کی سیر کا شوق ظاہر کیا،
۱۵۰	"	نے	عمدہ اور لذیذ غذا کے حق مین راے دی،
۱۰۰	"	نے	خوشحال گھرانا ملنے کو سب سے بڑی نعمت قرار دیا،
۵۰	"	نے	سفر و سیاحت کو اپنی عزیز ترین خواہش بتایا،
۳۰	"	نے	زر و دولت کی فراوانی کو مطمح نظر کہا،

نیویارک میڈیکل جرنل مین ایک مضمون نگار نے انسان کے دانتون پر ایک سلسلۂ مضامین لکھا ہے، جسکے ضمن مین اس نے اپنی تحقیقات کے بعض عجیب و غریب نتائج پیش کئے ہین، ازانجملہ اس نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ انسان کے آلات تناسل اور دانتون کے درمیان خاص تعلق ہے، چنانچہ اگر کسی عورت کے جانبی (آڑے) قواطع (وہ دانت جو منہ مین بالکل سامنے کی جانب ہوتے ہین اور جن سے کترنے یا کاٹنے کا کام لیا جاتا ہے) نہ موجود ہون تو وہ ہمیشہ لاولد رہیگی، اور اگر صرف داہنی جانب کے غائب ہون تو اسکے صرف لڑکیان ہونگی، علی ہذا اگر بائین جانب کے غائب ہون تو اسکے صرف لڑکے ہونگے، گویا نر اولاد کا تعلق داہنی جانب کے قواطع سے ہے اور مادہ کا بائین جانب سے،

امریکہ و برطانیہ کے بعض علماے فلکیات کا خیال تھا کہ کرۂ مریخ مین برف باری ہوتی ہے فرانس کے مشہور ہیئت دان کیمیل فلامریان نے حال مین اس خیال کی قطعی تردید کی ہے وہ کہتا ہے کہ امریکی و برطانوی فلکیئین جس سفید بلندی کو تودۂ برف خیال کررہے ہین، وہ

ایک طبعی حدب ہے، جو تبت سے بلند تر ہے،

جنگ کے تجربات نے جہان علمی دنیا مین صدہا انقلابات پیدا کردیئے وہان طب جدید و سائنس کے اس مسئلہ کی بھی بنیادین متزلزل کردی ہین کہ قواے ذہنی کا مستقر دماغ ہے، پروفیسر ٹرڈ لکھتے ہین کہ دوران جنگ مین پیہم تجربات و اختبارات سے یہ ثابت ہوگیا کہ دماغ کے تمام حصون کو الگ کردینے کے بعد بھی حیات نفسی مین کوئی فرق نہین آتا، ڈاکٹر رابرٹ بل ایک عرصہ سے دماغ کے مستقر نفس ہونے کے منکر تھے،

رسالہ کالیجین لکھتا ہے کہ مسلمانون کو فلسفۂ سیاسیات سے نابلد سمجھنا صحیح نہین، اس فن پر انکے ہان ایک جامع و مبسوط کتاب عربی زبان مین موجود ہے جسکا نام الاحکام السلطانیہ ہے اور جو بغداد کے قاضی القضاۃ ماوردی (۹۷۲-۱۰۵۸ء) کی تصنیف ہے، یہ مکمل کتاب بیس ابواب مین منقسم ہے، جنمین سے ابتدائی پانچ ابواب کا فرنچ ترجمہ پیرس مین دو جلدون مین سنہ ۱۹۰۱ء تا ۱۹۰۶ء مین شایع ہوچکا تھا، اور مقدمۂ مترجم مین مسلمانون کے فلسفۂ حریت پر تبصرہ بھی موجود ہے، سنہ ۱۵ء مین مکمل کتاب کا ترجمہ بھی پیرس مین شایع ہوگیا ہے، اور انگریزی زبان مین اسکے ابتدائی تین ابواب کا خلاصہ سنہ ۱۹۰۱ء کے رایل ایشیاٹک سوسائٹی جرنل کے پرچون مین ملیگا، جرنل مذکور کے سنہ ۱۱ء و سنہ ۱۶ء کے مختلف نمبرون مین فرائض قضاۃ پر جو مضامین نکلے ہین وہ بھی اس کتاب سے ماخوذ ہین، اسکے علاوہ اس فن پر دوسری معرکۃ الآرا کتاب ان کے ہان نظام الملک کا سیاست نامہ ہے، جو فارسی زبان مین ہے، نظام الملک سلجوقیہ کے عہد مین ۲۹ سال تک وزیر اعظم رہا ہے، (سنہ ۱۰۶۳ء تا سنہ ۱۰۹۲ء) اور اپنے زمانہ کا بہت بڑا مدبر ہوا ہے،

سیاست نامہ بھی ایک مبسوط کتاب ہے جو پچاس ابواب مین تقسیم ہے، اسکا فرنچ ترجمہ ۱۸۹۳ء مین شایع ہوا ہے، اور انگریزی زبان مین نظام الملک کی عملی سیاسیات کا تذکرہ سایکس کی ہسٹری آف پرشیا مین ملیگا،

ہالینڈ سے ایک دیوہیکل انسان آجکل امریکہ مین وارد ہے، اسکا قدہ فٹ ۹ انچ کا ہے، اور چھ گز کپڑے مین اسکا سوٹ تیار ہوتا ہے اسکا قصد سرکس مین ملازمت کا ہے،

آثار علمیہ و ادبیہ

پروفیسر براؤن کا فارسی خط

ایڈیٹر معارف کے نام

یکشنبہ ۲۹- اگست سنہ ۱۹۲۰ء

آقای فاضل ادیب عالم مکرما،

دیروز بزیارت رقیمۂ کریمۂ آنجناب مشرف و ممنون گردیدم ولی خیلے افسوس میخورم کہ بدین زودی تشریف می برید در حینیکہ مخلص درجاے دور از لندن میباشم حقیقۃً جاے تاسف است کہ درین مدت کہ در انگلستان تشریف داشتید، بیشتر فرصت نداشتم از فضائل و کمالات آنجناب مستفیض شوم، کتابیکہ تازہ مرحمت فرمودہ اید ہنوز نرسیدہ، ولے شکے ندارم کہ چون بکیمبرج برگردم آن را آنجا خواہم یافت، امیدوارم کہ در آیندہ ہرگاہ مخلص بتوانم در راہِ علم خدمتے بآن جناب نمایم مطلعم بفرمائید، تا انشاء اللہ کوتاہی نکنم، باز میگویم کہ ہرگاہ بتوانید کتاب مولوی شبلی نعمانی مرحوم را یعنی شعر العجم یا بفارسی یا بانگلیسی ترجمہ و چاپ بکنند، چقدر از براے عموم فارسی خوانان خوب و بجا می شد، چقدر افسوس میخورم کہ نصیبم نشد آن بزرگوار را ملاقات کنم قبل از آنکہ ازین دار الفنا بدار البقا انتقال فرمایند[1]

سلام خالص این مخلص را بآقاے محمد علی و سائر رفقاے خود برسانید، انشاء اللہ این سفر شما بے ثمر نبودہ است ولے دریغ این روزگار بے سامان و این وقایع ناگوار کہ نہ فقط ہر مسلمان بلکہ ہر کہ قدر تمدن اسلام را می شناسد از انہا مستغرق بحر غم و حزن است،

باقی السلام و ایام عزت و جلالت مستدام و بکام باد،

مخلص حقیقی

Edward G. Browne

ادبیات

افاداتِ اکبر

تاریخ وفات مولانا محمود حسن صاحب رحمہ اللہ

عالم بے مثال ومستِ الست — مثلش اینجا کسے نبود و نہ ہست

داد فتوی و رفت از دنیا — گشت در ماتمش جہان سر دست

سالِ رحلت ببین درین مصرع — گفت اُو قول حق، بہ حق پیوست

۱۳۳۹ھ

مولانا عبدالباری فرنگی محلی

اے چرخ! ہوائے شوق چلے، اے شاخِ عمل گلباری کر

کچھ کام کرین، کچھ سعی کرین، ہر شیخ کو عبدالباری کر

گاندھی، بزبانِ شوکت علی

جو پوچھا کیون کمر اس منزلِ تاریک مین کھولی — زبانِ حضرتِ شوکت سے بولے حضرتِ گاندھی

"شاباش اے رہ نوردِ عشق فارغ از تپید نہا — کہ در آخر بجائے میرسد از خود رمید نہا"

ترکِ موالات

اس ترکِ موالات کے کیڑے پہ پڑے کیون — اتنا ہی ہی اسکا یہ جواب "آپ سڑے کیون"

کفر سے جنکو ہو انعام کا خواہان ہونا — کون تسلیم کرے انکا مسلمان ہونا

مغربی تعلیم کا مقاطعہ

مغربی تعلیم سے ہی ایشیا کا دل ملول — کر دیا خلقت کو اُس نے بے تمیز و بے اصول

جو کرے اصلاح اسکی، مدح کا ہی مستحق — اور باتون کو بظاہر مین سمجھتا ہون فضول

تعلقِ حکومت

ہو تعلق محلِ شاہی سے — اسکا کیا غم بنے جو خواجہ سرا

محسوساتِ جوش

جناب شبیر حسن صاحب جوش ملیح آبادی مصنف رُوح ادب

طعنۂ خودسری دیا، عشقِ جنون پرست نے — راہِ وفا مین کھو دیا، فکرِ بلند و پست نے

میرے حواس لیلئے، یار کی چشمِ مست نے — "فتح" کا تاج رکھدیا، سر پہ مرے "شکست" نے

تیرے خیال کے نثار، آ کے مجھے چھڑا لیا — قید کیا تہا رُوح کو، عقل کے دار و بست نے

سر پہ ترے رہین سدا، پھولون کے تاج فصلِ گل! — رُوح مین درد بھر دیا، تیری ہوائے مست نے

آ کے ہماری آنکھ مین، اشک نہ کیون تھمے رہین — درس دیا ہی آپکی، چشمِ حیا پرست نے

"نظمِ عبودیت" پڑہی ہین یے کچھ ایسے لحن سے — ہنس کے رباب اُٹھا لیا "نغمہ زنِ الست" نے

جا کے نسیم جانستان کہنا یہ بزمِ حسن مین

بھیجا ہی تحفۂ سلام جوشِ سحر پرست نے

مطبوعات جدیدہ

خاتم النبیین، احمدی جماعت قادیان کی طرف سے آنحضرت صلعم کی ایک سوانح عمری اس نام سے اُردو میں شائع ہوئی ہے، مصنف کا نام مرزا بشیر احمد صاحب ایم، اے ہے، ابھی صرف پہلا حصہ ہمارے سامنے ہے، اس حصہ میں جغرافیہ عرب، مختصر تاریخ قبل اسلام، و سوانح نبوی از وفات تا ہجرت، بیان کئے گئے ہیں، کتاب میں سوانح نبوی کے اثنائے بیان میں مخفی طور سے مرزا صاحب کے حالات و دعاوی کی تطبیق کی کوشش کیگئی ہے، وحی و الہام کی تشریح جنون کا کشفی حالت میں آنا، آنحضرت صلعم کو اپنی فضیلت نبویہ کا بتدریج علم وغیرہ اسی قسم کے امور ہیں ہر پڑھنے والیکو یہ بھی نظر آئیگا کہ ہماری سیرۃ نبوی کے معلومات سے بکثرت فائدہ اٹھایا گیا ہے مگر ہم ممنون ہیں کہ مصنف نے دیباچہ میں اس اخذ و استناد کی تصریح کردی ہے، تاہم اس تضاد پر ہم سادہ لوح لوگ حیرت کرینگے کہ ایک طرف تو سیرۃ نبوی کے مصنف کا یہ پایہ ہے کہ اسکی امانت و شہادت (تصنیف) ایسے مقدس کام کے لئے ماخذ و مبنیٰ قرار پائے، دوسری طرف وہ اس لائق بھی نہو کہ عام مسلمان مرنے والوں کی طرح، مسلمانوں کے دستور کے مطابق اسکا ذکر رحمت و مغفرت کے ساتھ کیا جائے، بلکہ اسکا ذکر اس طریق سے کیا جائے جو اکابر مشرکین کے ساتھ مسلمانوں میں رائج ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے، شبلی آنجہانی، ھدانا اللہ وایاھم الی الصراط المستقیم،

خلافت اسلامیہ، مولوی ابو الحسنات صاحب ندوی رفیق دار المصنفین نے ٹرکی اور مسئلہ خلافت پر معارف اور دوسرے پرچوں میں جو مضامین لکھے تھے، جناب نذیر احمد صاحب قریشی دہلوی نے ایک رسالہ کی صورت میں انکو یکجا شائع کیا ہے، رسالہ میں ٹرکی اور عرب کے کئی نقشے بھی لگائے گئے ہیں، لکھائی چھپائی کاغذ عمدہ، قیمت عمر، پتہ: نذیر احمد قریشی، گودام چمڑہ، سبزی منڈی، دہلی،

مجلد ہفتم	ماہ جمادی الآخر سنہ ۳۹ مطابق فروری سنہ ۲۱	عدد دوم

مضامین